میر حسن

غلام حسن نام حسن تخلص۔ دہلی کے خاص باشندے تھے۔ ان کے جد امجد میر امامی اُس وقت وارد ہندوستان ہوئے۔ جب کہ شاہ جہاں صاحبقران کا ستارۂ اقبال آسمان پر چمک کر زوال کے قریب تھا۔ میر امامی یہیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوئے۔ یہ شہر ہرات کے سادات عظام کے خاندان سے تھے۔ ان کے بیٹے میر عزیز اللہ تھے جن کے صاحبزادے میر غلام حسین ضاحک فارسی کے ذی رتبہ شاعر ہی نہ تھے بلکہ بڑے ظریف المزاج زندہ دل بھی مشہور تھے۔ اُن کی اپنے مشہور معاصر مرزا رفیع سودا سے ہمیشہ نوک جھوک ہوتی رہی۔ اُن کا کلام اگرچہ تلف ہو چکا۔ مگر ایک آدھ رباعی اور شعر تذکروں میں اب بھی باقی ہے۔ میر حسن اسی دریائے ذخار کے ایک گرامی گوہر تھے۔

میر حسن سنہ ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء کو بمقام سید واڑہ پرانی دلی میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں کتب درسیہ فارسی کی اپنے والد میر غلام حسین ضاحک سے تعلیم پائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُنھیں کے فیض صحبت سے شعر و شاعری کا ذوق بھی پیدا ہوا۔ اور یہیں خواجہ میر دردؔ رح المتوفی سنہ ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء کو اپنا کلام ابتدائی دکھانا شروع کیا چونکہ خاندان تیموریہ کی طاقت قریب قریب زائل ہو چکی تھی اور اب یہ خاندانی اقبال کا چراغ ٹمٹما ٹمٹما کر قضا و قدر کے ایک تند جھونکے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسی لیے طوائف الملوکی خانہ جنگی بدامنی کا دور دورہ تھا سرزمین دہلی ان آفتوں اور مصیبتوں کی نشست

ہمیشہ مرکز رہی ہے اُسی طرح اس وقت بھی جولانگاہ محشر بنی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے شرفا کو نہ وہاں اطمینان حاصل تھا اور نہ وہاں کی بود و باش کو وہ پسند کرتے تھے۔ جس کو جہاں کہیں امن و عافیت کی جھلک دکھائی دیتی۔ سیدھا اُدھر ہی کا رخ کرتا۔ اور ہمیشہ کے لیے عمر بھر کی رفیق (دلی) کو الوداع کہہ کر سدھار جاتا۔ میر ضاحک کو بھی وقتی پریشانیوں نے فیض آباد جانے اور وہاں کے کار پرداز کار فرماؤں کے فیض بیدریغ سے نفع اُٹھانے کے لیے مجبور کیا۔ میر حسن اپنے اختیار میں نہ تھے۔ پھر بھی وطن مالوف کو چھوڑنا۔ خواجہ میر درد جیسے استاد کی خدمت سے منھ موڑنا بڑا ہی گراں گزرا۔ مگر کرتے تو کیا کرتے۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ ایک رباعی سنا کر اُستاد سے اجازت طلب کی رباعی سوز و گداز اور دلی جذبات سے بھری ہوئی ہے۔ اور اگر انھیں کی ہے تو نہایت عمدہ ہے ؎

جاناں ز تو امید نگاہے داریم　　امید نگاہے ز تو گاہے داریم
ما کشتۂ چشم سرمہ سایت ہستیم　　نے نالۂ و نے فغاں نہ آہے داریم

اُس کے بعد فیض آباد آ گئے۔ اور یہاں ان کا ایسا جی لگا کہ عمر بھر یاد رہا۔ چنانچہ جب فیض آباد سے لکھنؤ میں آئے تو لکھنؤ اور فیض آباد کا تقابل کرتے ہوئے کچھ اشعار مثنوی گلزار ارم میں لکھے ہیں۔ اور لکھنؤ کی فیض آباد کے مقابلہ پر بڑی ہجو کی ہے۔

فیض آباد میں نواب سالار جنگ بہادر برادر بہو بیگم صاحبہ کی سرکار میں ملازم ہوئے بعد ازاں اُن کے بیٹے مرزا نوازش علی خاں کی مصاحبت میں بھی رہے ۱۷۷۵ء میں نواب آصف الدولہ نے

لکھنؤ کو اپنا دار السلطنت قرار دیا تو یہ بھی فیض آباد سے لکھنؤ چلے آئے اور یہیں کچھ دنوں کے قیام کے بعد ۱۲۰۱ھ میں انتقال کیا اور محلہ مفتی گنج مرزا قاسم علی خاں کے باغچہ کے عقبی حصہ میں مدفون ہوئے۔ مصحفی نے ان کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

چوں حسن آں بلبل خوش داستاں	رو ازیں گلزار رنگ و بو بتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی	شاعر شیریں بیاں تاریخ یافت

میر حسن کی تاریخ وفات میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ مرزا علی لطف نے ۱۲۰۵ھ۔ اور نصیر حسین خیال مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں جو میر حسن کے متعلق اولڈ بوائے حیدر آباد جلد ۲ نمبر ۸ میں چھپا تھا ۱۱۴۱ھ لکھا ہے مصحفی کی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے اور ان کے سنہ ولادت ۱۱۴۰ھ کو دیکھتے ہوئے یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح ۱۲۰۵ھ بھی صحیح نہیں کیونکہ مصحفی سے میر حسن کے تعلقات تھے۔ اور مصحفی کو غلط سنہ تاریخ کی نظم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اسی طرح اُن کی شاگردی کے متعلق بھی کچھ شبہات ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ پہلے خواجہ میر درد کے شاگرد تھے بعد کو میر ضیاء الدین ضیا سے اصلاح لی۔ مگر اُن کا طرز یا ان کو پسند ہی نہیں آیا۔ یا نبھ نہ سکا۔ بہرحال پھر مرزا رفیع سودا کو بھی کلام دکھایا اور میر تقی میر کا بھی اتباع کیا۔ اتباع کا ثبوت اُن کے تذکرے سے ملتا ہے فرماتے ہیں [illegible]

[illegible] سر انجام نیافت۔ [illegible] مرزا رفیع [illegible]

و میر تقی میر پیروی [illegible]۔

میر حسن کی علمی لیاقت زیادہ تر فارسی کی تھی عربی سے اُن کو چنداں لگاؤ نہ تھا۔ مگر اُردو کے زبردست شاعر اور زبان کے ماہر تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق ازلی تھا۔ ہمیشہ کچھ نہ کچھ کہتے رہتے تھے۔ اُن کا کلیات قلمی بعض جگہ موجود ہے۔ اور کچھ غزلیات کا حصہ شائع بھی ہوگیا ہے اُس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعر کامل تھے۔ اور میر درد۔ میر تقی میر۔ مصحفی وغیرہ کے انداز میں اُن کو مہارت کامل حاصل تھی۔ جس کا مختصر نمونہ آگے چل کر ہم درج کریں گے۔

وہ آزاد مزاج۔ ہشاش وبشاش رہنے والے مرنجان و مرنج لوگوں میں سے تھے۔ جلسوں میلوں اور دوستوں کی صحبت سے ان کو فرصت نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی اُن کا ذوق سخن سنجی اور سلسلہ تصنیف و تالیف جاری تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج اُن کی جو تصانیف ہم تک پہونچی ہیں وہ کچھ کم نہیں ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دیوان میر حسن۔ وثوق کے ساتھ کہنا دشوار ہے کہ یہ دیوان میر حسن کی تمام و کمال غزلیات کا مجموعہ ہے۔ مگر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کہیں ابھی غزلیات کا مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ تذکروں میں چند اشعار ملتے ہیں اُس سے ذوق تشنہ ہی رہتا ہے۔ بہرحال یہ دیوان ۱۴۴ صفحہ پر ہے جو نہایت عمدہ کاغذ پر نہایت صحت کے ساتھ مطبع ...ا میں طبع ہوا ہے۔

میر حسن کا انداز غزل گوئی متقدمین درد و میر سے زیادہ ملتا ہے۔ وہی سوز و گداز۔ وہی آشفتگی اور والہیت وہی برجستگی اور جاذبیت

جو قدرت نے اُن دونوں کو ودیعت کی تھی وہ میر حسن کو بھی دی گئی ہے۔ اور نہ جاننے والا میر۔ اور درد کے کلام سے اُن کے کلام کو علیحدہ نہیں کرسکتا۔ یہ کہنا زیادتی ہوگی کہ ان کے کلام میں ہر شعر تیر و نشتر ہے مگر اکثر کلام پر یہی حکم لگایا جاسکتا ہے۔ نمونہ کے لیے یہ چند شعر ملاحظہ کیجیے۔

جس عالم ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ — آخر کو جو دیکھا تو وہ موسم تھا خزاں کا
اُٹھتے ہی دل جگر میں اک آگ سی لگادی — خانہ خراب ہوئے اس نالۂ و فغاں کا
ساماں لے چلا ہے اندوہ کا یہیں سے — کیا جانیے ارادہ دل نے کیا کہاں کا
میر حسن یہ رونا یونہی اگر رہے گا — ظالم تو پھر کسی کا کاہے کو گھر رہے گا
جس جا پہ تم نے باتیں کیں تھیں کھڑے ہو اک دن — جب دیکھتا وہ جاگہ بے اختیار رونا

اس عشق میں جو قدم دھرے گا — جیتا نہ بچے گا وہ مرے گا

لکھنے کی یہاں تاب نہ پڑھنے کا وہاں دماغ — کہہ دیں گے کچھ زبانی اگر نامہ بر چلا
روتے ہی گزرتی ہے شب و روز حسن کو — اور اس سے تو کیا حال بتر ہو ویگا یارب
رشک اُس مرغ چمن پہ ہے کہ جو گل کے حضور — داستاں کہتے گیا جی سے گزر آخر شب
تو نہ کر طعنۂ درد دل پہ میرے صنم — جی رہوں گا جو ہو گی میری حیات
شاہ ہووے غلام کا بندا — کون پوچھے ہے عاشقی میں ذات
کس وقت میں بسا تھا الٰہی یہ ملک دل — صدمے ہی پڑتے رہتے ہیں نت اس دیار پر
دامن صحرا سے اُٹھنے کو حسن کا جی نہیں — پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

وہ نہ آیا ادھر حسن افسوس — رہ گیا انتظار ہی آخر

دل بچھڑ کر جو گیا اُس بت مغرور تلک — دیکھنے میں بھی گیا اُسکے تئیں دور تلک
غافل سمجھ کے پیجو جام شراب عشق — آخر کو کام پہنچے ہے اسکا خمار تک

کیا کہیں اپنا ہم نشیب و فراز   آسماں گاہ گہ زمیں ہیں ہم

نہ کسی کو کہیں نہ اپنی ستیں   نقش دیوار بوستاں ہیں ہم

بس وہی اک نالہ سنکر چپ ہا سو چپ ہا   اب بھی سنتے ہو مرے دلکی کہیں فریاد تم

اب تو غبار دل سے کہیں صاف کر کہ بس   باقی نہیں غبار بھی اس خاکسار میں

جو کچھ ستمیں خیال میں دیکھوں ہوں میں ترے   دیکھی نہ ہوگی سیر کسی نے یہ خواب میں

نے دود ہوں جگر کا نہ میں آہ کا شعلہ   میں نالۂ شبگیر ہوں اور آہ سحر ہوں

تڑپے تو تھا ابھی یہ کیوں رہ گیا تڑپ کر   کیا ہو گیا الٰہی اس بیقرار دل کو

فریب وعدہ بس دیجو کسی اور ہی کو اب جا کر   میاں ہم خوب سمجھے ہیں تمھارے عہد و پیماں کو

روبرو ہو نہ ایک تیغ فراق   اور خنجر ہو یا کٹاری ہو

کہتا تھا میں کہ ہر دم اسکی گلی میں مت جا   اس بات کا اب آخر چرچا حسن ہوا نہ

ہم نہ تنہا اُس گلی سے جاں کو کھو کر اُٹھ گئے   سیکڑوں ہاں زندگی سے ہاتھ دھو کر اُٹھ گئے

دیکھنے پائے نہ ہم اشکوں کا اپنے کچھ ثمر   تخم گویا یاس کے یہ تھے جو بو کر اُٹھ گئے

ہے گرہ کیسی یہ غم کی اپنے دلمیں اے حسن   ہم نے جوں جوں اسکو کھولا اور یہ محکم ہوئی

بس کہیں تھک بھی آسیائے فلک   پس چکے سر سے ہم تو اب بس کے

تو ہی جب اپنے در سے دیوے اُٹھا   پھر کدھر جائے کوئی سر پٹکے

یہاں تو سنتا ہی نہیں بات کسی کی کوئی   دل مرا مثل جرس کب تئیں فریاد کرے

بے اختیار اُٹھتی ہے بنیاد بے خودی   آتی ہے جب نظر تری دیوار دور سے

غرضکہ میر حسن کا عام رنگ یہی ہے کہ وہ درد و اثر سوز و گداز کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کرتے اور انبساط کے مقابلے پر ہمیشہ اسکو ترجیح دیتے ہیں۔ حقیقتاً میر و سودا کے زمانے میں یہی رنگ مقبول بھی تھا اور اہل محفل سر دھنتے تھے

تذکرۂ شعرائے اردو میر حسن اس میں متقدمین شعرا سے لیکر اپنے زمانہ تک کے مشہور و غیر معروف شعرا کا تین طبقے کرکے ذکر کیا ہے تقریب قریب تین سو شعراء کا اس میں ذکر ہے۔ کہیں کہیں بہت ہلکی سی تنقید بھی ہے۔ مگر زیادہ تر اپنے تمام معاصرین کو نہایت فراخ دلی سے داد سخن دی ہے اور بہت خیر و خوبی سے یاد کرکے تھوڑا تھوڑا انتخاب کلام بھی دے دیا ہے اگرچہ سنہ تصنیف کا کہیں تذکرہ میں ذکر نہیں تاہم محققین کا خیال ہے کہ یہ سنہ ۱۱۹۱ھ یا سنہ ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے تاریخ ادب اُردو میں سنہ ۱۱۹۴ھ اور مقدمہ تذکرہ میں سنہ ۱۱۸۸ھ سنہ ۱۱۹۲ھ لکھا ہے۔ یہ تذکرہ بھی شائع ہو چکا ہے تذکرے کے علاوہ اصناف سخن میں میر حسن کو جس صنف کا تاجدار اور واحد کارفرما مانا جاتا ہے وہ صنف مثنوی ہے۔ ان کی تصنیف میں سے چھوٹی بڑی کئی مثنویاں ہیں جن میں سب سے زیادہ مقبول یہی مثنوی سحر البیان ہے۔

یہ مثنوی میر حسن کی آخری تصنیف ہے جو سنہ ۱۱۹۹ھ میں تمام ہوئی۔ اس میں اُنھوں نے اپنی قدرت نظم زبان دانی۔ قوت فکر۔ طرز کلام۔ نادر استعاروں اور تشبیہوں سلاست بیان وغیرہ کا وہ کمال دکھایا ہے کہ آسانی کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے دنوں تک وہ اس کے نظم کرنے کی فکر میں منہمک رہے ہوں گے۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ جوانی کی تصنیف ہے۔ مگر جوانی کے پیری سے بدل جانے کا واقعہ بھی اُسی کے ساتھ ساتھ بتا دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلسل جانفشانی کا نتیجہ ہے بہرطور اس کے متعلق اُن کا بیان سُنیے۔

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا | کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا

زبس عمر کی اس کہانی میں صرف — تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر — تب ایسے ہوے ہیں سخن بے نظیر
نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی — مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں — نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیاں
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام — کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام
ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا — جب اس طرح رنگیں یہ مضموں کیا
اگر واقعی غور ٹک کیجیے — صلہ اس کا کم ہے جو کچھ دیجیے
غرض جس نے اس کو سنا یہ کہا — حسن آفریں مرحبا مرحبا
جو منصف سنیں گے کہیں گے یہی — نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہو گی کبھی

اس پر آمد کا یہ حال ہے کہ کہیں یہی نہیں معلوم ہوتا کہ انھوں نے غور و فکر کے لیے گردن جھکائی ہوگی یا دم بھر کے لیے کہیں اُن کے قلم نے دم لیا ہوگا۔ معلومات عامہ کا یہ رنگ ہے کہ نجومیوں اور رمالوں برہمنوں کا ذکر کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرت نے ساری عمر جوتش اور رمل کے فن کے حاصل کرنے میں صرف کر دی تھی۔ بزم عشرت کا سماں دکھاتے ہیں تو وہ موسیقی کے ایک ماہر کامل سے کم نظر نہیں آتے اور ایسی ایسی اصطلاحات روا روی میں کہہ جاتے ہیں کہ آج تو کم از کم کوئی اُن کے معنی سمجھنے والا بھی نہیں ملتا۔ محل خانہ شاہی کا سماں۔ کنیزوں کے نام۔ اُن کے دلچسپ مشغلے بتانے پر آتے ہیں تو وہ خود بھی محل کے ایک راز دار اتالیق سے کم نہیں رہتے غم و الم کی کیفیات حادثات کا بیان۔ پرستان کی جادوگری۔ نجم النسا کے جوگن بننے کا بیان

یہ سب چیزیں اس طرح بیان ہوئی ہیں کہ جیسے انھوں نے برسوں خود بھی یہ بہروپ بھرے اور سوانگ دکھائے ہیں۔ تشبیہات اس قدر اچھوتی اور نادر ہوتی ہیں کہ تخئیل کے ساتھ مل کر وہ دوش ہوا پر پورے گل معلوم ہوتی ہیں۔ پھر ایک دو جگہ نہیں بلکہ مسلسل۔ سچ تو یہ ہے کہ داد دینے والا حیران رہ جاتا ہے کہ کس کس کی داد دے اور کیا کیا کہا کرے۔ محاکات کا کمال میر حسن سے زیادہ کسی مثنوی نگار کے یہاں نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ تھی کہ خود اس زمانے میں بھی سب مثنوی لکھنے والے اس کے تتبع کو اپنا فخر سمجھتے تھے جی چاہتا ہے کہ اس پر ایک تفصیلی بیان دیتے ہوئے تنقید کی جائے۔ مگر چونکہ یہاں اس کی ضرورت نہیں اس لیے صرف ضروری باتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) یہ مثنوی ہندوستان کے مختلف مطابع میں چھپتی رہی۔ مگر افسوس کہ اس کی صحت کا لحاظ بہت کم رہا۔ اس مرتبہ ہم نے کئی قلمی و مطبوعہ قدیم نسخے جمع کرکے مقابلہ کیا۔ اور سیکڑوں اغلاط نکال کر اس کلام کو جو مصنف کے کلام سے بہت دور ہو گیا تھا پھر مصنف کا کلام بنا دیا۔

(۲) اس مثنوی میں سیکڑوں الفاظ اور اصطلاحات ایسے ہیں جن کے معنی لغات متداولہ میں نہیں ملتے۔ نہایت کوشش سے ان کے معانی کی تحقیقات کرکے فٹ نوٹوں میں ان کو درج کر دیا۔

(۳) اس مثنوی پر جو دیباچہ ان کے معاصر میر شیر علی افسوس نے لکھا تھا اور وہ فورٹ ولیم کالکتہ میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کو نہایت تلاش و کوشش سے بہم پہونچا کر اس میں شامل کر دیا۔

(۴) اسی طرح مصنف کی اصلی شبیہ بھی ایک قدیم اور قلمی نسخے سے
حاصل کی اور اس کو اول کتاب میں شامل کیا امید ہے کہ اب یہ کتاب
ناظرین کے لیے اور بھی جاذب نظر و توجہ ثابت ہوگی۔

ان کی دوسری مشہور مثنوی جو مشاق میں اس مثنوی کا جواب نہیں
تو جواب کے قریب ہے۔ مثنوی گلزار ارم ہے۔ اور جو اگرچہ پہلے دو ایک
مرتبہ طبع ہوئی۔ مگر پھر کمیاب ہو گئی۔ اور اب شدید تلاش کے بغیر نہیں
ملتی۔ میرے کتب خانہ میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ پڑانا
چھپا ہوا ہے۔ اور دوسرا نسخہ وہ ہے جو مخزن پریس لاہور سے سنہ ۱۹۰ء میں
مثنوی سحر البیان کے ساتھ شائع ہوا تھا چونکہ یہ مثنوی نایاب ہو گئی ہے
اس لیے اس مرتبہ اس کو بھی اس مثنوی کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اگرچہ
مثنوی کا اصلی رنگ تو اس کے دیکھتے ہی سے معلوم ہوگا۔ مگر ہم یہاں
اس کے متعلق بعض ضروری باتوں کا اظہار کرتے ہیں۔

مثنوی گلزار ارم ۔ یہ مصنف کے دورِ زندگی کی ایک اہم اور
دلچسپ تاریخ ہے۔ یا یوں کہیے کہ تسلسل واقعات کی زنجیر کی ایک
کڑی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے اس سفر کا حال لکھا جو دہلی
سے لکھنؤ تک پہنچنے کے لیے کیا تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ اپنے
چند عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ اپنے وطن قدیم دہلی سے چلے
کچھ دنوں تک ڈیگ (بھرت پور) میں قیام کیا اور پھر یہاں سے شاہ مدار
کی چھڑیوں میں مکن پور تشریف لے گئے۔ وہاں اس زمانے میں بہت
بڑا میلا ہوتا تھا۔ یہ میلے میں شریک ہوئے اس لیے وہاں کی رنگ رلیوں

اور میلے کی خوبیوں کا نہایت بیساختگی سے ذکر کیا ہے۔ ضمناً میلے کی شوقین
شریک ہونے والی عورتوں کے لباس اور وضع قطع، حسن، لطافت،
ناز و انداز سبھی کا ذکر آیا ہے۔ اور ان کو ایسی خوبی کے ساتھ لکھا ہے کہ
بلاشک کہا جاسکتا ہے کہ یہ مثنوی سحر البیان سے دوسرے درجہ پر
رکھے جانے کے قابل ہے۔ آخر میں لکھنؤ اور فیض آباد کا ذکر آگیا ہے
اور اس میں انھوں نے جہاں فیض آباد کی والہانہ انداز میں تعریف کی
ہے وہیں اس کے مقابلے پر لکھنؤ کی مذمت میں ایک معاندانہ رنگ پیدا
کر دیا ہے۔ یہ مثنوی سنہ ۱۱۹۲ھ کی تصنیف ہے۔ اس کا نام "گلزار ارم"
اس کا سنہ تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ گلزار میں (ز) کی بجائے
(ذ) کا ہونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ گلزار ارم مصنف کی وفات سے
تقریباً نو برس پہلے کی تصنیف ہے اور ان کی عمر وفات کے وقت پچاس برس
پہلے کی بتائی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ چالیس اکتالیس برس کے
ہوں گے جب انھوں نے اس مثنوی پر قلم اٹھایا۔ اس میں ان کی
رنگینی مزاج اور عشق پرستی کے صاف صاف اشارے موجود ہیں اور
بعض معاصرین کے حال پر بھی اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے
بعد مثنوی رموز العارفین ہے۔ اگرچہ وہ نقش اول ہونے کی حیثیت رکھتی
ہے کیونکہ وہ انھوں نے شاید جوانی میں لکھی جس کا انھوں نے تذکرہ میں
ذکر کیا ہے اور ذکر بھی یہ کہہ کر کہ یہ ان کی زندگی ہی میں مشہور و مقبول ہو چکی
تھی۔ یہ مثنوی بھی اگرچہ ایک دو مرتبہ چھپ چکی ہے مگر کمیاب بلکہ نایاب ہے
میں نے مولانا سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانہ سے

نسخہ لے کر اس کو خود نقل کیا۔ اور اس مرتبہ اس میں شامل کر دیا۔ اب اس کے متعلق اتنا بیان کافی ہوگا کہ گو میر حسن نے اس کے مقبولیت کے متعلق ایک اہم بیان دیا ہے اور وہ صحیح بھی ہو سکتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ چیز نہ اُن کے رنگ کی ہے اور نہ وہ اُن کی دوسری مثنویوں کے مقابلے میں پیش کی جا سکتی ہے۔

مثنوی رموز العارفین ۔ اس میں حضرت ابراہیم ادہم بادشاہ بلخ کے سلطنت کو چھوڑ کر درویشی اختیار کرنے کا حال ایک مؤثر انداز میں لکھا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اولیا اور بزرگوں کی حکایات کو بھی بر سبیل تمثیل پیش کیا ہے۔ اور اس جدت کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ دس بارہ مصرعوں کے بعد کسی مشہور و مقبول زمانہ صوفی شاعر کے وہ اشعار لائے گئے ہیں جو معرفت اور اخلاق و نصائح سے کوئی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے دو ابتدائی شعر یہ ہیں:۔

ہے سزاوار ثنا وہ کردگار	جس نے کی وحدت سے کثرت آشکار
ایک دانے سے عیاں خرمن کیا	ایک شعلے سے جہاں روشن کیا

یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعرانہ موشگافیوں کو اس میں زیادہ دخل نہیں دیا ہے مگر چونکہ یہ سراسر تصوف اور حال و قال کے انداز میں لکھی گئی ہے اور اس پر جدت پسندی کو ملحوظ رکھا ہے اسی لیے اہل دل کے قلب پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور ایک اہم چیز پائی جاتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یہ مثنوی اُن کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن باوجود اس قدر وارستہ مزاجی کے زندہ دل صوفی بھی رہے اور

اُن کے دل میں ایک خاص گداز تھا۔ جن بزرگوں کا کلام اس میں کہیں کہیں لایا گیا ہے وہ سنی مذہب کے بزرگ تھے مگر میر حسن نے اس کی پروا نہیں کی اور بہت ہی بے تعصبی سے اُن کے کلام کو دلیل ساطع بنا کر پیش کیا۔ بہرصورت یہ مثنوی اُن کی زندگی میں کافی شہرت اور قبول عام حاصل کر چکی تھی۔

مثنوی خوان نعمت ۔ یہ مثنوی نایاب ہے۔ جس کا ایک بہت قدیم نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ کسی دوست کو بطریق خط کے لکھی گئی ہے جس میں خوان آصفی کے بیان کے ذکر میں قریب قریب تمام لذیذ کھانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ندرت کلام کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

بقیہ مثنویاں ۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں جنکے نام تو نہیں ہیں۔ مگر ہیں وہ مکمل۔ ان کو زیادہ سے زیادہ حکایت یا کہانی کہا جا سکتا ہے ان میں زبان تو ضرور سلیس ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگوں اور قوموں کے عادات وخصائل کے ہو بہو بیان کرنے کے خیال سے انھوں نے فحش الفاظ سے بھی گریز نہیں کیا۔

اسی طرح ایک آدھ اور مثنوی بھی میری نگاہ سے گزری جو نہایت عمدہ تھی مگر افسوس کہ اس کا نام میرے ذہن میں اب نہیں ہے۔

عبدالباری آسی

۲۸۔ نومبر ۱۹۴۴ء

دیباچہ مثنوی سحر البیان

(از میر شیر علی افسوس)

حمد کی لیاقت اُسی صانع کو ہے جس نے عناصر اربعہ کو کہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اپنی قدرت کاملہ سے ربط دے کر ارکان ٹھہرایا اور کیفیت متوسط پر مرکبات کے اجسام کو بنایا لیکن انسان کو ہر مخلوق سے شریف تر اور لطیف تر خلق کیا کہ نفس ناطقہ نے علاقہ اُسی سے پکڑا اور وہی کلیات و جزئیات کی حقیقت سے ماہر ہوا یہاں تک کہ تعلیم و تعلم کا سلیقہ اُسے بخوبی آگیا اور اُس کی زبان میں بھی استعداد ہر لغت کے تلفظ کی بخشی چنانچہ اُس نے جس بولی کو چاہا سیکھ لیا بلکہ سکھا دیا، پس لازم ہے کہ اس کے شکر میں ہر دم اپنی زبان گویا رکھے اور اُس کی حمد کو ہر حال میں اپنا ورد کرے۔

نہ بھول اپنے خالق کو اے دل نہ بھول — کہ یاد اسکی ہے دونوں جگ کا حصول
اُسی کو مددگار اپنا سمجھ — اُسی کو فقط یار اپنا سمجھ
بُرے وقت میں کوئی اُس کے سوا — ترے کام آوے یہ امکان کیا
محبت سے سب کی اُٹھا اپنا دل — فقط اُس سے ہی بس لگا اپنا دل
زباں تیری گویا رہے جب تلک — اور امکان سخن کا رہے جب تلک
کیا کر ثنائے جہاں آفریں — سخن کوئی بس اس سے بہتر نہیں
جو بعد اس کے منظور ہو کوئی بات — تو کہہ نعت احمدؐ شہ کائنات

فی الواقع ستودہ خدا سب انبیا و اولیا ہیں، تعریف انکی موافق مقدور

ہر ایک کو ضرور ہے خصوصاً نعت و منقبت خاتم المرسلین اور اُس کے وصی امیر المومنین علیہما السلام کی کیونکہ انھوں ہی نے دنیا میں ہم کو راہ ہدایت کی بتلائی کہ ہم نے منزلِ ایمان کی سہولت پائی عاقبت میں بھی اُمید شفاعت کی اور نعمائے جنت کی انھیں سے رکھتے ہیں ۔

بھروسہ کسی کا نہیں اک ذرا
سے اُن کا ہی ہم کو فقط آسرا

نبیؐ و علیؑ اپنے ہیں پیشوا
نبیؐ و علیؑ اپنے ہیں رہنما

انھیں سے ہے کونین میں مجھکو کام
وہ ہے مولا ہیں میرے میں اُنکا غلام

درود اُن پہ اور اُن کی اولاد پہ
بدل بھیجتا ہوں میں شام و سحر

بعد اس حمد و نعت کے مثنوی سحر البیان اسم بامسمیٰ ہے کیونکہ اس کا ہر شعر اہل مذاق کے دلوں کے لبھانے کو موہنی منتر ہے اور ہر داستان اس کی سحر سامری کا ایک دفتر، جو چیز کہ حقیقت میں خوب ہوتی ہے وہی طبائع کو مقبول و مرغوب ہوتی ہے، راست ہے کہ اس کا انداز سراپا اعجاز ہے، اور وہ ہر ایک صاحب طبیعت کے دمساز تعریف اُس کی جہاں تک کیجیے بجا ہے، کیونکہ فصاحت و بلاغت کا اس میں ایک دریا بہا ہے احیاناً اگر کسی شعر میں غلطی یا اس کی بندش میں سستی پائی جائے تو قابل نام دھرنے کے اور اعتراض کرنے کے نہیں — اس لیے کہ جہاں ہنر کی کثرت ہوتی ہے وہاں عیب بہ قلت شمار میں نہیں آتا، اور تعرض اُس کا منصف مزاجوں کو نہیں بھاتا — بقول شخصے ع

شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست

صلے کا اس کے ماجرا یہ ہے کہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ مرحوم نے ایک دوشالہ خاص اپنے اوڑھنے کا دستِ بقچے میں سے نکلوا کر مصنف کو عنایت کیا رتبہ تو اس کا البتہ بڑھا پہ دل گھٹ گیا، اس لیے کہ مطلب دلی حاصل نہ ہوا۔ لیکن یہ کھوٹ صرف طالع کی ہے کیونکہ مال کھرا خریدار اتنا بڑا اور سودا خاطر خواہ نہ ہوا، بلکہ گھاٹا آیا۔

یہ چند سطریں مصنف کے حسب و نسب اور احوال میں ہیں

مصنف اس کا میر حسن دہلوی متخلص بہ حسنؔ خلف میر غلام حسین ضاحکؔ کا، وطن اجداد شہر ہرات قوم سادات گردش فلکی سے انھوں نے شہر مذکور کو چھوڑا اور دلی میں آکر پرانے شہر کا رہنا اختیار کیا، وہیں یہ بزرگ پیدا ہوا بلکہ سن تمیز کو پہونچا۔

دادا اس عالی قدر کا سنتے ہیں کہ حاجی و فاضل تھا لیکن باپ کو فضیلت نہ تھی مگر طالب علمی میں شرح ملا تک پڑھا تھا پر فارسی میں استعداد اچھی تھی، بلکہ شعر بھی متین و رنگین گاہے گاہے اس زبان میں کہتا تھا، چنانچہ یہ رباعی طبع زاد اس کی راقم نے اسکی زبانی سنی ہے۔

فریاد دلا کہ غمگساراں رفتند	سیمیں بدناں و گلعذاراں رفتند
چوں بوے گل آمدند بر باد سوار	در خاک چو قطرہاے باراں رفتند

قصیدہ بھی ایک آدھ اس مغفور کا ریختہ وار دیکھا ہے، لیکن ہزل پر ازبسکہ مزاج میں مرغوب تھا غزل کہنی ترک کی تھی قیامت ہنسوڑ اور ٹھٹھول تھا، تخلص اس کا اس پر دال ہے۔ بظاہر نہایت ثقہ اور متشرع، اکثر عمامہ عربی سبز سر پر باندھا رہتا تھا، اور جامہ کم گھیر اہل تقی کا

گلے میں داڑھی متوسط لبیں لی ہوئی قد میانہ گندم گوں لیکن میر حسن داڑھی منڈواتے تھے پر جامہ نیمہ ان کا بھی ویسا ہی تھا اور پگڑی کی بندش قدیم ہندوستانیوں کی سی قد لمبا تھا اور رنگ گندمی ہر چند وضع تو ایسی تھی پر شوخ مزاج و لطیفہ گو ویسے بھی تھے نہ ہزال و فحاش۔

سوائے اس کے بردباری اور ملنساری اُن کی خلقت میں تھی، کسی کو میں نے اس عزیز سے شاکی نہیں پایا، اور بیزار نہیں دیکھا، طبع اس کی موزوں طفولیت سے تھی شعر کی طرف رغبت رکھتا تھا، اکثر خواجہ میر درد کی صحبت سے مستفید شاہجہاں آباد میں لڑکائی کے بیچ ہوا ہے اور بعد برہم ہونے سلطنت کے شہر مذکور سے مجبور اپنے والد کے ساتھ صوبہ اودھ میں آیا سکونت فیض آباد میں اختیار کی علاقہ روزگار کا نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کی سرکار میں بہم پہونچایا، مصاحب مرزا نوازش علی خاں بہادر سردار جنگ دام ثروتہ کا ہوا، مرزائے موصوف بڑا بیٹا نواب مغفور کا ہے، خدا اُسے سلامت رکھے کہ اشعار سے اُسے رغبت اور شعرا سے محبت ہے، چنانچہ میر مذکور کو بھی اُس نے اپنا انیس و جلیس کیا تھا، اور وہ تھا بھی اسی لائق اگرچہ علم عربی اُسے مطلق نہ تھا، ہاں فارسیت تھی بلکہ جستہ جستہ شعر یا کوئی رباعی کبھو کہہ بھی لیتا تھا۔ لیکن علم مجلس میں بے بدل اور شعر ہندی میں اکمل تھا، مشق سخن اس نے اسی ملک میں میر ضیاء الدین ضیا تخلص سے کہ ہم مشق مرزا رفیع سودا اور میر تقی میر کے تھے کی تھی۔ سوائے ان کے مرزائے مرحوم سے بھی ان کی غیبت میں اکثر اوقات اصلاح لی تھی چنانچہ اس کا اقرار راقم کے

سامنے کیا ہے، غرض میر مرحوم صاحب دیوان ہے۔ غزل۔ رباعی، مثنوی، مرثیہ میں سلیقہ نہایت خوب رکھتا ہے، بلکہ سوائے قصیدے کے ہر قسم کی نظم پر قادر تھا، سچ تو یہ ہے کہ ادا بندی کا حق اُن نے خوب ادا کیا، اور انداز شعر کا کس خوبی سے رکھا، خدائش بیامرزاد۔ راقم کو اُس سے دوستی دلی تھی کبھو رنجش خفگی باہم نہیں ہوئی حالانکہ اُسی سرکار میں میں بھی نوکر اور اُسی صاحبزادے کا ہم نشین تھا، دس برس تک دن رات ایک جگہ رہے بلکہ اکثر آپس میں غزلیں ہم طرح ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں، لیکن نہ بطور استفادہ کے جیسا کہ نواب علی ابراہیم خاں مغفور نے بے تحقیق اپنے تذکرے میں لکھا ہے، صاف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مشورہ سخن کا اس مرحوم سے بھی کیا ہے، اگر یہ بات حقیقت میں ہوتی تو کچھ عیب نہ تھا ہرگاہ حقیر میر حیدر علی حیراں کی شاگردی کا مقر ہے باوجود اس کے کہ شاعری اُن کی میر حسن سے زیادہ نہ تھی پھر کس لیے اس بات کا انکار کرتا۔ قاعدہ یہی ہے کہ ایک سے سیکھتے ہیں اور دوسرے کو سکھاتے ہیں، لیکن جھوٹی بات پر اقرار نہیں کیا جاتا اور سچی سے انکار نہیں ہو سکتا۔ آخر چرخ تفرقہ پرداز نے باہم تفرقہ ڈالا، اتفاقاً میرا روزگار سنہ گیارہ سے ننانوے میں صاحب عالم مرزا جواں بخت کی سرکار میں ہوا۔ میں اُن کے ہمراہ بنارس میں آیا۔ بعد اس کے اس بزرگ کو آخر ذیحجہ سنہ بارہ سے ہجری میں مرض الموت لاحق ہوا۔ بعد ان غرہ محرم کو کہ سنہ بارہ سے ایک شروع ہو چکے تھے

اس دار فانی سے اُس نے سرائے جاودانی کو کوچ کیا اور شہر لکھنؤ میں مفتی گنج کے بیچ مرزا قاسم علی خاں بہادر دام ظلہ کے باغ کے پیچھے مدفون ہوا۔ خدائے کریم اس کو یہاں دار السّلام عطا کرے اور وہاں قصر جنت بخشے۔

عدم سے مسافر جو آیا یہاں
مقرر وہ ایک روز جاوے گا وہاں

رہے جگ میں ہر چند وہ ہر کہیں
پر اُس کا ٹھکانا ہے زیر زمیں

نہ غفلت میں اپنی تو اوقات کھو
ارے بے خبر جاگتے میں نہ سو

یہاں میں تو مہمان ہے چند روز
ترے جسم میں جان ہے چند روز

یہ مہلت غنیمت ہے کر لے وہ کام
کہ جس سے رہے تا ابد نیک نام

فی الواقع نیک نامی بھی عجیب چیز ہے، انسان کا نام اسی سے زندہ رہتا ہے یا کلام و اولاد سے سو وہ خوش نصیب بیٹے دونوں اس سمیت چھوڑ گیا، چار بیٹے فضل الٰہی سے اس کے اب تک موجود ہیں، تین شاعر ہوئے بود و باش اُنھوں نے فیض آباد میں اختیار کی معاش نوکری پر ہے، چنانچہ میر مستحسن خلیق تخلص اور میر محسن محسنؔ تخلص مرزا تقی بہو بیگم صاحب مادر آصف الدولہ مدظلہا

کے داماد کے رفیق ہیں اور میر حسن خلق تخلص داراب علی خاں ناظر کے ساتھ ہے، یہ اور خلیق دونوں صاحب دیواں ہیں، شعر اپنے باپ ہی کے انداز پر کہتے ہیں، لیکن خلیق کا سر رشتہ اصلاح کا میاں مصحفی سلمہ اللہ سے تعلق رکھتا ہے، خدا اُسے اور اُنھیں سلامت رکھے، یے (یہ) چند فقرے بطور دیباچہ زبدۂ نوئینان عالیشان مظہر مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان مارکوئس ولزلی لارڈ گورنر بہادر دام اقبالہ کے عہد میں کہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء کے ہیں۔ حسب الارشاد صاحب والا مناقب جان گلکرسٹ بہادر مدرس ہندی دام دولتہ کے اس عاصی نے لکھے اور ان کو اس مثنوی کا ضمیمہ کیا۔

تمام شد دیباچہ میر شیر علی افسوس

نوٹ: ۔ اس مقدمہ کی زبان اور طرز بیان اگرچہ قدیم ہے اور زمانۂ موجودہ کے طرز و روش سے علیحدہ ہے۔ گرپھر بھی میر حسن کے خاندانی حالات اور شاعرانہ کمالات۔ مثنوی سحر البیان کے سنہ تصنیف وغیرہ پر اس سے بہت کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ خود دیباچہ نویس کے متعلق بھی بہم پہونچتی ہے۔ میر حسن کے سنہ وفات میں جو اختلاف ہے وہ بھی اس سے معلوم ہوتا ہے۔ غرضکہ یہ مقدمہ ایک تنقید لکھنے والے کے لیے انتہائی اہم اور ضروری ہے۔ اور امید ہے کہ یہ سعی بھی مقبول ہو گی۔

(آسی)

الحمد للہ کہ

اس زمان میمنت اقتران میں
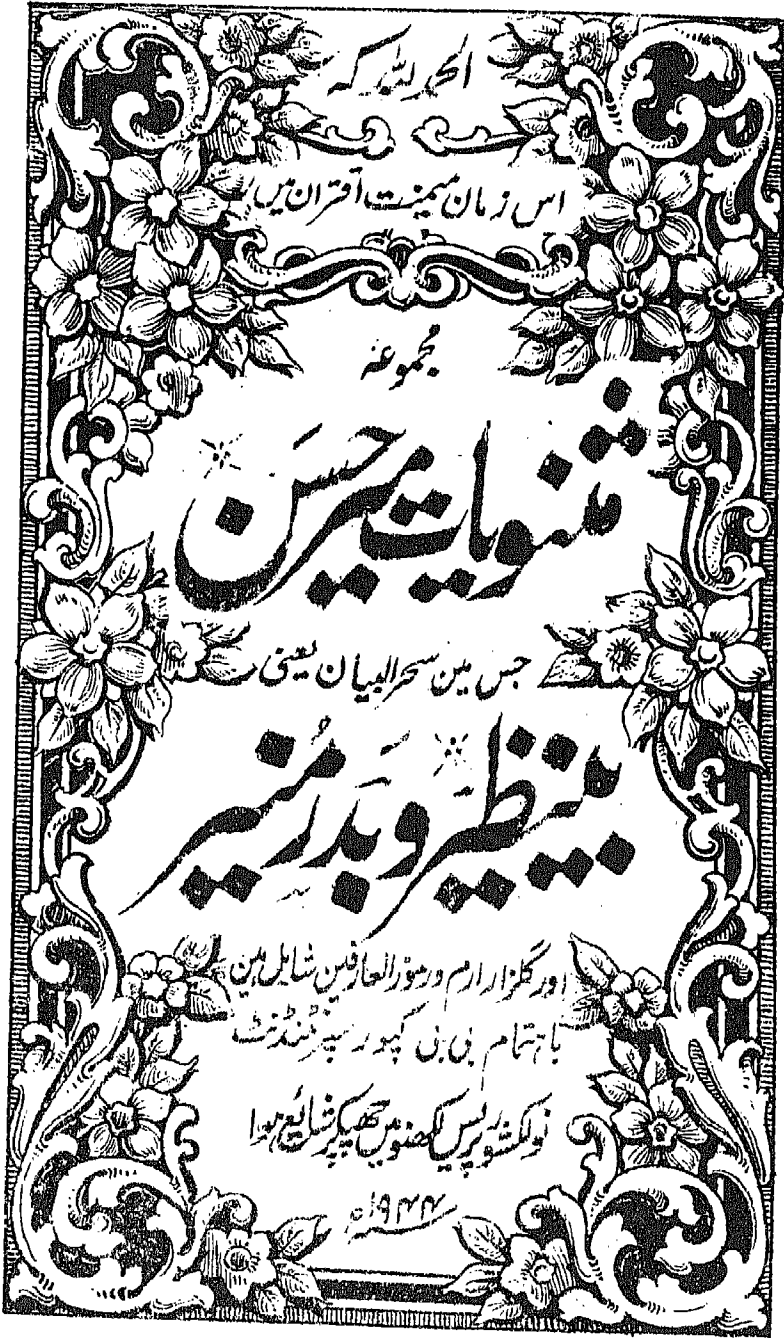
مجموعہ

مثنویات میر حسن

جس میں سحر البیان یعنی

بینظیر و بدر منیر

اور گلزار ارم و رموز العارفین شامل ہیں

باہتمام پی پی کپور سپرنٹنڈنٹ

نولکشور پریس لکھنؤ میں چھپکر شائع ہوا

سنہ ۱۹۴۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم
جھکا جسکے سجدے کو اوّل قلم

سرِ لوح پر رکھ بیاضِ جبیں
کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

قلم پھر شہادت کی اُنگلی اُٹھا
ہوا حرف زن یوں کہ ربُ العلا

نہیں کوئی تیرا نہ ہوگا شریک
تری ذات ہی وحدہٗ لاشریک

پرستش کے قابل ہی تو اے کریم
کہ ہی ذات تیری غفور الرحیم

رہِ حمد میں تیری عزّ و جل
تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل

وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
قلم جو لکھے اُس سے افزود ہے

سبھوں کا وہی دین و ایمان ہی
یہ دل ہیں تمام اور وہی جان ہی

تر و تازہ ہے اُس سے گلزارِ خلق
وہ ابرِ کرم ہے ہوادارِ[1] خلق

لہ ہوادار۔ دوستدار۔ خیرخواہ ۱۲ آسی

اگرچہ وہ بے فکر و غیور[1] ہے — ولے پرورش سب کی منظور ہے
کسی سے نہ بر آوے کچھ کام جاں — جو وہ مہرباں ہو تو کل مہرباں
اگرچہ یہاں کیا ہو اور کیا نہیں — پر اُس بن تو کوئی کسی کا نہیں
موئے پر نہیں اُس سے رفت و گذشت[2] — اُسی کی طرف سب کی ہو بازگشت
رہا کون اور کس کی بابت[3] رہی — موئے اور جیتے وہی ہے وہی
نہاں سب میں اور سب میں ہو آشکار — یہ سب اُسکے عالم ہیں ہژدہ ہزار[4]
ورے سب ہیں اُس سے وہ ہو سب سے پیش — ہمیشہ سے ہو اور رہے گا ہمیش
چمن میں ہو وحدت کے یکتا وہ گل — کہ مشتاق ہیں جس کے یاں جزو و کل
اُسی سے ہو کعبہ اُسی سے کنشت[5] — اُسی کا ہے دوزخ اُسیکا بہشت
جسے چاہے جنت میں دیوے مقام — جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام
وہ ہے مالک ملک دنیا و دیں — ہو قبضے میں اُسکے زمان و زمیں
سدا بے نمودوں[6] کی اُس سے نمود — دل بستگاں[7] کو ہے اُس سے کشود[8]
اُسیکی نظر سے ہو ہم سب کی دید[9] — اُسی کے سخن پر ہے گفت و شنید
وہی نور ہو سب طرف جلوہ گر — اُسی کے یہ ذرے ہیں شمس و قمر
نہیں اس سے خالی غرض کوئی شے — وہ[10] کچھ شے نہیں پر ہر اک شے میں ہے
نہ گوہر میں وہ ہے نہ ہو سنگ میں — ولیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں

---

[1] غیور۔ بہت غیرت مند۔ یہ لفظ بفتح اول و ضم ثانی بلا تشدید ہے ۱۲ [2] رفت و گذشت۔ گیا گذرا۔ بے تعلقی ۱۲
[3] بابت۔ ذریعہ۔ سفارش ۱۲ [4] یعنی اٹھارہ ہزار عالم ۱۲ [5] کنشت۔ آتشکدہ۔ یہودیوں کا معبد ۱۲
[6] بے نمود سے مراد عاجز، کم رتبہ، حقیر لوگ ۱۲ [7] دلبستگاں۔ مراد دل مایوساں ۱۲ [8] کشود۔ کشائش ۱۲
[9] یعنی ہماری قوت باصرہ اُسی کے حکم سے ہے۔ یا ہم سب اُسی کی نظر کو دیکھتے ہیں ۱۲ —
[10] یعنی اُس کو کسی جسم کے ساتھ تجسم نہیں [illegible] ۱۲ — آسی

وہ ظاہر میں ہر چند ظاہر نہیں
بہ ظاہر کوئی اُس سے باہر نہیں

تأمل سے کیجے اگر غور کچھ
تو سب کچھ وہی ہے نہیں اور کچھ

ق

اُسی گل کی ہے بو سے خوشبو گلاب
پھرے ہے لیے ساتھ دریا حباب

پر اس جوش میں آکے بہنا نہیں
سمجھنے کی ہے بات کہنا نہیں

قلم گو زباں لاوے اپنی ہزار
نہیں لکھ سکے حمد پروردگار

کہ عاجز ہے یاں انبیا کی زباں
زبانِ قلم کو یہ قدرت کہاں

اس عہدے سے کوئی بھی نکلا نہیں
سوا عجز درپیش کچھ یاں نہیں

وہ معبود یکتا خدا ہے جہاں
کہ جنّے کیا اُن ہیں کون و مکاں

دیا عقل و ادراک اُسنے ہمیں
کیا خاک سے پاک اُسنے ہمیں

پیمبر کو بھیجا ہمارے لیے
وصی اور امام اُسنے پیدا کیے

جہاں کو انھوں نے دیا انتظام
برائی بھلائی سجھائی تمام

دکھائی اُنھوں نے ہمیں راہ راست
کہ تا ہو نہ اُس راہ کی بازخواست

سو وہ کون سی راہ شرعِ نبی
کہ جنت کے رستے کو سیدھی گئی

نعت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کون یعنی رسول کریم
نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم

ہوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب
پہ علمِ لدنی کھلا دل پہ سب

له یعنی عبد و معبود ایک ہیں اگر ادب لازم ہے ۱۲ ته عہدہ ذمہ داری، ذمہ عہدے سے کا عین تقطیع سے گرتا ہے ۱۲ سه خاک سے پاک کئے
[illegible] ... عرب ... ۱۲ ... وصی ... امام پیشوا لیکن
سه بازخواست - دی ہوئی چیز کچھ واپس مانگنا، پرسش ۱۲ که علم لدنی، وہ علم جو
بغیر استاد کے محض فضل الٰہی سے حاصل ہو ۱۲ آسی -

ہوا علم دیں اُس کا جو آشکار — گذشتہ ہوئے حکم تقویم[1] پار

اٹھا کفر اسلام ظاہر کیا — بتوں کو خدائی سے باہر کیا

کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے — بنایا نبوت کا حقدار اُسے

نبوت جو کی حق نے اُسپر تمام — لکھا اشرف[2] الناس خیر الانام

بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے — خدا نے کیا اپنا محبوب اُسے

کروں اُسکے رتبہ کا کیا میں بیاں — کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں

مسیح اُسکے خرگاہ[3] کا پاردہ دوز — تجلی طور اُس کی مشعل فروز

خلیل اُسکے گلزار کا باغباں — سلیماں سے کئی مہردار[4] اُسکے ہاں

خضر اُسکی سرکار کا آبدار[5] — زرہ ساز داؤد سے واں ہزار

محمد کے مانند جگ[6] میں نہیں — ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں

یہ تھی رمز جو اُسکے سایا نہ تھا — کہ رنگ دوئی وانتک آیا نہ تھا

نہ ہونے کا سایہ کے تھا یہ سبب — ہوا صرف پوشش میں کعبہ کی سب

وہ قد اسلیے تھا نہ سایہ فگن — نہ تھا کل وہ اک معجزے کا بدن

بنا سایہ اُسکا لطیفت اس قدر — نہ آیا لطافت کے باعث نظر

عجب کیا جو اُس گل کے سایہ نہو — کہ تھا وہ گل قدرت حق کی بو

خوش آیا نہ سایہ کو ہونا جدا — اُسی نور حق سے سایا نہ [illegible]

---

۱ تقویم پار پرانی جنتری یعنی منسوخ ہوا ۱۲ ۲ اشرف الناس آدمیوں میں سب سے زیادہ بزرگ ... خیر الانام دنیا کا بہترین آدمی ۱۲ ۳ خرگاہ ایک قسم کا بڑا خیمہ امرا کا خیمہ پاردہ دوز سینے والا ۱۲ ۴ مہردار وہ عہدہ دار جسکی سپردگی میں امرا اور سلاطین کی مہریں ہوں ۵ آبدار بادشاہوں اور امیروں کے یہاں کا وہ منصب دار جسکے سپرد پانی پلانے کی خدمت ہو ۱۲ ۶ جگ مراد زمانہ ۱۲ آسی

نہ ڈالی کسی شخص پر اپنی چھاؤں　　کسی کا نہ منھ دیکھا دیکھ اُسکے پاؤں
وہ ہوتا زمیں گیر کیا فرش پر　　قدم اُسکے سایہ کا تھا عرش پر
نہ ہونے کی سائے کے اک وجہ اور　　مجھے خوب سوجھی یہ ہے شرط غور
جہانتک کہ تھے یاں کے اہل نظر　　سمجھ مایۂ نور کحل البصر[۱]
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اُٹھا　　زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا
سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب　　وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگر نہ یہ تھی چشم اپنی کہاں　　اُسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا　　ملائک کے دل میں سمایا رہا

منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نہیں ہمسر اُسکا کوئی جز علیؓ　　کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی
ہوئی جو نبوت نبیؐ پر تمام　　ہوئی نعمت اُسکے وصی پر تمام
جہاں فیض سے اُنکے ہے کامیاب　　نبیؐ آفتاب و علیؓ ماہتاب
علیؓ دین و دنیا کا سردار ہے　　کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
بہارِ امامت کے گلشن کا گل　　بہارِ ولایت کا باغِ سُبل
علیؓ رازدار خدا و نبیؐ　　خبردار سرِ خفی و جلی
علیؓ بندۂ خاص درگاہِ حق　　علیؓ سالک و رہبرِ راہِ حق
علیؓ ولی ابن عم رسول　　لقب شاہِ مرداں و زوجِ بتول[۲]
کہے یوں جو چاہے کوئی بیر سے　　یہ نسبت علیؓ کو نہیں غیر سے

[۱] آنکھ کا سرمہ ۱۲ [۲] زوج بتول یعنی شوہر حضرت فاطمہ علیہا السلام ۱۲ آسی

خدا[1] نفس پیغمبرش خواندہ است / دگر را فضیلت نہ کس ماندہ است
یہاں بات کی اب سمائی نہیں / نبیؐ اور علیؓ میں جدائی نہیں
نبیؐ اور علیؓ ہر دو نسبت بہم / دوتا و[2] یکے چوں زبان قلم
علیؓ کا عدو دوزخی دوزخی / علیؓ کا محب جنتی جنتی
نبیؐ و علیؓ فاطمہؓ اور حسنؑ / حسینؑ ابن حیدرؓ یہ ہیں پنجتن
ہوئی اُن پہ دو جگ کی خوبی تمام / اُنھوں پر درود اور اُنھوں پر سلام
علیؓ سے لگا تا بہ مہدیؑ دیں / یہ ہیں ایک نور خداے بریں
اُنھوں سے ہی قائم امامت کا گھر / کہ بارہ ستوں ہیں یہ اثنا عشر
صغیرہ[3] کبیرہ سے یہ پاک ہیں / حساب عمل سے یہ بیباک ہیں
ہوا یاں سے ظاہر کمال رسول / کہ بہتر ہوئی سب سے آل رسول

تعریف اصحاب پاک رضوان اللہ علیہم اجمعین

سلام اُن پہ جو اُس کے اصحابؓ ہیں / وہ اصحاب کیسے کہ احباب ہیں
خدا نے اُنھوں کو کہا مومنیں / وہ ہیں زینتِ آسمان و زمیں
خدا[4] اُن سے راضی رسول اُن سے خوش / علیؓ اُن سے راضی بتول اُن سے خوش
ہوئی فرض اُن کی ہمیں دوستی / کہ ہیں دل سے وہ جاں نثار نبیؐ

---

[1] ترجمہ خدا نے فرمایا ... حضرت علی علیہ السلام کو نفس پیغمبر قرار دیا ہے۔ دوسرے کے لیے کوئی فضیلت نہیں رہی ۱۲
[2] وہ دو ہیں مگر پھر بھی زبان قلم کی طرح ایک ہیں ۱۲
[3] صغیرہ۔ چھوٹے گناہ۔ کبیرہ۔ بڑے گناہ ۱۲ عبد الباری آسی۔
[4] رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ترجمہ وہ خدا سے خوش خدا اُن سے خوش ۱۲ آسی

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

الٰہی بحقِ رسولِ امیں ۔۔۔ بحقِ علیؓ و باصحابِؓ دیں
بحقِ بتولؓ و بآلِ رسولؐ ۔۔۔ کروں عرض جو میں سو ہووے قبول
الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں ۔۔۔ گناہوں سے اپنے گرانبار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار ۔۔۔ کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
مری عرض یہ ہے کہ جبتک جیوں ۔۔۔ شراب محبت کو تیری پیوں
سوا تیری اُلفت کے اور سب ہی ہیچ ۔۔۔ یہی ہو نہ ہو اور کچھ ایچ پیچ[1]
جو غم ہو تو ہو آل احمدؐ کا غم ۔۔۔ سوا اس الم کے نہ ہو کچھ الم
رہے سب طرف سے مرے دل کو چین ۔۔۔ بحقِ حسنؓ اور بحقِ حسینؓ
کسی سے نہ کرنی پڑے التجا ۔۔۔ تو کر خود بخود میری حاجت روا
صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ ۔۔۔ خوشی سے ہمیشہ خدا مجھ کو رکھ
مری آل و اولاد کو شاد رکھ ۔۔۔ مرے دوستوں کو تو آباد رکھ
میں کھاتا ہوں جن کا نمک اے کریم ۔۔۔ سدا رحم کر اُن پہ تو اے رحیم
جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ ۔۔۔ رہوں میں عزیزوں میں عزت کے ساتھ
برآویں مرے دین و دنیا کے کام ۔۔۔ بحقِ محمد علیہ السلام ؎

تعریفِ سخن

پلا مجھ کو ساقی شرابِ سخن ۔۔۔ کہ مفتوح[2] ہو جس سے بابِ سخن

[1] مراد جھگڑا ۱۲ [2] مفتوح - کشادہ ۱۲ - آسی

سخن کی مجھے فکر دن رات ہے
سخن ہی تو ہے اور کیا بات ہے

سخن کے طلبگار ہیں عقلمند
سخن سے ہے نام نکویاں بلند

سخن کی کریں فکر مردان کار
سخن نام ان کا رکھے برقرار

سخن سے وہی شخص رکھتے ہیں کام
جنھیں چاہیے ساتھ نیکی کے نام

سخن سے سلف[1] کی بھلائی رہے
زبان قلم سے بڑائی رہے

کہاں رستم و گیو و افراسیاب
سخن سے رہی یاد یہ نقل خواب

سخن کا صلہ یار دیتے رہے
جو اہل سدا صلہ لیتے رہے

سخن کا سدا گرم بازار ہے
سخن سنج اس کا خریدار ہے

رہے جب تلک داستان سخن
الٰہی رہیں قدردان سخن

مدح شاہ عالم بادشاہ غازی بہادر کی

شہنشہ[2] شاہ عالی گہر
زمیں بوس ہیں جس کے شمس و قمر

جہاں اس کے پرتو سے ہی کامیاب
وہ ہے برج اقلیم میں آفتاب

اسی مہر سے ہے منور یہ ماہ
جہاں ہووے اور ہو جہاندار شاہ

وہ مہر منور یہ ماہ منیر
اور اس کا یہ تیغ سعادت وزیر

مدح وزیر الممالک جناب نواب آصف الدولہ بہادر کی

فلک مرتبہ نواب عالیجناب
کہ ہے آصف الدولہ جس کا خطاب

وزیر جہاں حاکم عدل و داد
ہے آبادی ملک جس کی مراد

[1] سلف ـ گذرے ہوئے لوگ ـ [2] بادشاہ ہوا اسی

جہاں عدل سے اُسکے آباد ہے
فقیروں غریبوں کا دل شاد ہے

پھرے بھاگتا زور سے فیل مست
زبردست ظالم پہ ہو زیر دست

کتاں پر کرے مہ اگر بد نظر
تو آدھا ادھر اور آدھا اُودھر

کسی کا اگر مفت لے زلف دل
تو کھایا کرے پیچ وہ متصل

وہ انصاف سے جو گذرتا نہیں
کسی پر کوئی شخص مرتا نہیں

نہ ہو باگھ بکری میں کچھ گفتگو
اگر اس کا چیتا نہ ہووے کبھو

گر آواز سن صید کی کچھ کہے
تو باز آئے چیخ کہ بہری رہے

پھرے شمع کے گرد گر آکے چور
صبا کھینچ لے جاوے اُسکو بزور

نہ دے جب تلک شمع پروانگی
پتنگے کے پر کو نہ چھیڑے کبھی

اگر آپ سے اس پہ وہ آگرے
تو فانوس میں شمع چھپتی پھرے

گر اجبا تا اُسکے جلیں بال و پر
تو گلگیر لے شمع کا کاٹ سر

وُسے عدل کی جو طرح یاد ہے
کسے یاد ہے یہ خدا داد ہے

ستم اس کے ہاتھوں سے رویا کرے
سدا فتنہ دہر سویا کرے

گھروں میں فراغت سے سوتے ہیں سب
پڑے گھر میں چور اپنے روتے ہیں سب

وہ سب ہے باعث اسی خرد و کلاں
کہ ہے نام سے اُسکے مشتق اماں

بیان سخاوت کا

بیان سخاوت کروں جو رقم
تو زر ریز کاغذ پہ ہووے قلم

لہ باگھ شیر ۱۲ [illegible] سوتا ہوا ۱۲ [illegible] چیخ ایک قسم کا [illegible] بہری ایک پرند [illegible] شمع کا چور [illegible]
[illegible] ۱۲ [illegible] پروانگی اجازت [illegible] اتفاقاً کبھی [illegible]

نظر سے توجہ کی دیکھا جدھر — دیا مثل نرگس اُسے سیم و زر
سخاوت یہ ادنیٰ سی اک اُسکی ہے — کہ اک دن دوشالے دیئے سات سے
سوا اسکے ہے اور یہ داستان — کہ ہو جس پہ قربان حاتم کی جان
ہوئی کم جو اک بار کچھ برشگال[1] — گرانی[2] سی ہونے لگی ایک سال
غریبوں کا دم سا نکلنے لگا — توکل کا بھی پاؤں[3] چلنے لگا
وزیر الممالک نے تدبیر کر — خدا کی دیا راہ میں مال و زر
تحصلہ کیا حکم یہ — کہ ناڑے[4] سے اس غم کی کھولیں گرہ
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیے — کئی لاکھ اک آن میں دے دیئے
یہ لغزش پڑی ملک میں جو تمام — لیا ہاتھ نے اُسکے گر تو نکو تھام
یہ بندہ نوازی یہ جان پروری — یہ آئین سرداری و سروری
ہوئی ذات پر اُس سخی کی تمام — تکلف ہے آگے سخاوت کا نام
فقیروں کی تو یاں تلک ہے بنی — کہ ایک ایک یاں ہو گیا ہے غنی
کیا دخل آواز دے جو گدا — چٹکنے کی گل کے نہ ہووے صدا
نہ ہو اُس کا ثانی جو ابر کرم — اثر ابر نیساں[5] سے ہووے عدم
قدح لیکے نرگس جو ہووے کھڑی — تو خجلت سے جاوے زمیں میں گڑی
ہر اک کام اُسکا جہاں کی مراد — فلاطوں طبیعت ارسطو نژاد
جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر — تب اُسکو دیا ہے یہ کچھ مال و زر

---

[1] برشگال۔ برسات ۱۲ [2] گرانی قحط۔ کال پڑنا ۱۲ [3] پاؤں چلنا۔ پاؤں ڈگنا۔ لڑکھڑانا ۱۲ [4] کچا سرخ اور زرد رنگا ہوا سوت ۱۲ [5] مشہور ہے کہ ابر نیساں یعنی اُس گھٹا کا پانی جو نوروز سے چالیس دن بعد برستا ہے اور مشہور ہے کہ اس پانی سے سیپ میں موتی اور بانس میں بنسلوچن پیدا ہوتا ہے ۱۲ آسی۔

بیان شجاعت کا

لکھوں گر شجاعت کا اُسکی بیان — قلم ہو مرا رستمِ داستاں

غضب سے وہ ہاتھ اپنا جس پر اٹھائے — اجل کا طمانچہ قسم اُسکی کھائے

کرے جس جگہ زور اُس کا نمود — دلِ آہن اُس جا پہ ہووے کبود

چلے تیغ گر اُسکی روزِ مصاف[۱] — نظر آئے دشمن سے میداں صاف

اگر بے حیائی سے کوئی عدو — ملا دیوے اُس تیغ سے منہ کبھو

تو ایسے ہی کھا کر گرے سر کے بل — کہ سر پر کھڑی اُسکے روئے اجل

نہ ہو کیونکہ وہ تیغ برقِ غضب — کہ بُرش کی تشدید جوہر ہیں سب

ہوئی ہم قسم اُس کی تیغِ اجل — نکل آئے یہ گر پڑے وہ اٹکل

لگا دے اگر اُسکو وہ ایک بار — گذر جائے یوں جیسے صابن سے تار

تو غضب سے غضب اُسکے کانپا کرے — تہور سے ہیبت بھی اُسکے ڈرے

اور اس زور پر ہے یہ حلم و حیا — کہ ہے خلق کا جیسے دریا بہا

جہاں تک کہ ہیں علم و کسب و کمال — ہر اک فن میں ماہر ہے وہ خوش خصال

سخنداں سخن سنج شیریں زباں — وزیرِ جہاں و وحیدِ زماں

سخن کی نہیں اُس سے پوشیدہ بات — غوامض[۲] ہیں سب حل نکتے نکات[۳]

سلیقہ ہر اک فن میں ہر بات میں — نکلتی نئی بات دن رات میں

سدا سیر پر اور تماشے پہ دل — کشادہ دلی اور خوشی متصل

۱؎ لڑائی میں فوج کے صف باندھنے کی جگہ یا زمانہ میدانِ جنگ ۱۲ ۲؎ غوامض۔ باریکیاں

۳؎ نکات۔ نکتہ کی جمع ۱۲ آسی۔

نہ ہو اسکو کیونکر ہو اسے شکار | تہور شعاروں کا ہے یہ شعار
دلیروں کو ہے بس دلیروں سے کام | کہ رہتا ہے شیروں کو شیروں سے کام
شہانرا ضرورست مشق شکار (۱) | کہ آید بہ صید دلہا بکار
کھلے بند ہیں جتنے صحرا میں صید | ہیں نواب کے دام الفت میں قید
زتیغش دل آہوان سوختہ (۲) | بفتراک او چشمہا دوختہ
شجاعت کا ہمت کا یہ کام ہے | درم ہاتھ میں ہے کہ یا دام ہے
نہ ہوتا اگر اس کو عزم شکار | درندوں سے بچتا نہ شہر و دیار
نہ سمجھے جہاں بیچ خرد و بزرگ | یہ ہو جاتے سب لقمہ شیر و گرگ
یہ انسان پر اُس کا احسان ہے | کہ بےخوف انسان کی جان ہے
بنائی جہاں اُس نے نخچیرگاہ (۳) | رہے صید واں آکے شام و پگاہ
رکھا صید نخچیر پہ جس دم خیال | لیا پشت پر اپنی ماہی نے جال
نگر اپنا دیتے ہیں جی جان کر | کہ ٹاپو پہ گرتے ہیں آن آن کر
نہ سمجھو نکلتی ہیں دریا میں سوس (۴) | خوشی سے اچھلتی ہیں دریا میں سوس
چرندوں کا دل اسطرح سے لگا | پرندوں کو رہتی ہے اسکی ہوا
پلنگوں کا ہے ایک چیتا (۵) لگی | کہ آ بندھا وے ہماری کوئی
خبر اسکی سنکر نہ گینڈا چلے | کہ ہاتھی بھی ہو مست اینڈا چلے
جو کچھ دلمیں گینڈے کے آوے خیال | تو بھاگے اُس آگے سپر اپنی ڈال

(۱) ترجمہ بادشاہوں کو شکار کی مشق ضروری ہے کہ دلوں کے شکار کرنے میں کام آتے ۱۲
(۲) ترجمہ اُس کی نسبت سے ہرنوں کا دل جلا ہوا ہے۔ اُس کے فتراک (تسمہ شکار بند) پر آنکھیں لگائے ہیں ۱۲ (۳) نخچیرگاہ۔ شکار کرنے کی جگہ ۱۲ (۴) سوس۔ ایک دریائی جانور ۱۲ (۵) چیتا۔ خیال۔ سوچا ہوا ۱۲ آسی

کھڑے اڑنے[۱] ہوتے ہیں سر جوڑ جوڑ
کبھی کون دیتا ہی بدبد کے ہوڑ[۲]

اطاعت کے حلقے سے بھاگے جو فیل
پلک اسکی آنکھوں میں ہو دو دو میل

سو وہ تو اطاعت میں یکدست ہیں
نشے میں محبت کے سب مست ہیں

اُسی کے لیے گو کہ ہیں یہ پہاڑ
قدم اپنے رکھتے ہیں سب گاڑ گاڑ

کہ شاید مشرف سواری سے ہوں
سرافراز چل کر عماری[۳] سے ہوں

چلن جب کہ ہو دیں یہ حیوان کے
تو پھر حق بجانب ہے انسان کے

کسے ہو نہ صحبت کی اُسکی ہوس
دے کیا کریں جنہ نہ ہو دسترس

عجز وانکسار مصنف اور عرض کرنا داستان کا

فلک بارگاہا[۴] ملک درگہا
جدا ہیں جو قدموں سے تیرے رہا

نہ کچھ عقل نے اور نہ تدبیر نے
رکھا مجھکو محروم تقدیر نے

پہ اب عقل نے میرے کھولے ہیں گوش
دیا ہے دوست تری مجھکو ہوش

سو میں اک کہانی بنا کر نئی
دُرِ فکر سے گوندھ لڑیاں کئی

لے آیا ہوں خدمت میں بہر نیاز
یہ امید ہے پھر کہ ہوں سرفراز

مرا عذر تقصیر ہو دے قبول
بحق علیؑ و بآل رسول

رہیں شاد و آباد کل خیر خواہ
پھریں اس گھرانے کے دشمن تباہ

رہے جاہ و حشمت ترا یہ مدام
بحق محمد علیہ السلام

اب آگے کہانی کی ہے داستاں
ذرا سنیے دل دے کے اسکا بیاں

[۱] اڑنا۔ جنگلی ہاتھی۔ جنگلی بکینا ۱۲ [۲] ہوڑ بدنا۔ شرط بدنا۔ بازی بدنا ۱۲ [۳] عماری۔ ہودہ
[۴] بارگاہا اور درگہا میں الف ندائیہ ہے ۱۲ آسی

آغاز داستان

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ — کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ
بہت حشمت و جاہ و مال و منال — بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشاہ اسکو دیتے تھے باج — خطا و ختن سے وہ لیتا خراج
کوئی دیکھتا آکے جب اسکی فوج — تو کہتا کہ ہے بحر ہستی کی موج
طویلے کے اسکے جوادنی تھے خر — انھیں نعلبندی میں ملتا تھا زر
جہانتک کہ سرکش تھے اطراف کے — وہ اس شہ کے رہتے تھے قدموں لگے
رعیت تھی آسودہ و بے خطر — نہ تھا مفلسی کا نہ چوری کا ڈر
عجب شہر تھا اسکا مینو سواد — کہ قدرت خدا کی آتی تھی یاد
لگے تھے ہر اک جا پہ ان سنگ و خشت — ہر اک کوچہ اسکا تھا رشک بہشت
زمیں سبز و سیراب عالم تمام — نظر کو طراوت وہاں صبح و شام
عمارت تھی گچ کی وہاں بیشتر — کہ گذرے صفائی سے جسپر نظر
کہیں چاہ و گچ کہیں حوض و نہر — ہر اک جا پہ آب لطافت کی لہر
کروں اسکی وسعت کا کیا میں بیاں — کہ جوں اصفہاں تھا وہ نصف جہاں
ہنرمند واں اہل حرفہ تمام — ہر اک نوع کی خلق کا ازدحام
پہ دلچسپ بازار تھا چوک کا — کہ ٹھہرے جہاں پر وہیں دل لگا

---

۱ باج۔ محصول۔ خطا و ختن۔ دو شہروں کے نام ۲ کم رتبہ آدمی ۱۲ ۳ گھوڑے کے نعل جڑنا ۱۲ ۴ بہشت کی سی رونق ۱۲ ۵ اصفہان عراق کا ایک مشہور و معروف شہر جہاں کی تلوار اور سرمہ مشہور ہیں ۱۲ منہ

جہانتک کہ رستے تھے بازار کے	کہے تو کہ تختے تھے گلزار کے
وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در	سپیدی پہ چونکی نہ ٹھہرے نظر
صفا پر جو اسکی نظر کر گئے	اُسے دیکھ کر رشک مر مر گئے
کہوں قلعہ کی اسکی میں کیا شکوہ	گرے وہ بلندی کو دیکھ اسکی کوہ
وہ دولت سرا خانۂ نور تھا	سدا عیش و عشرت سے معمور تھا
ہمیشہ خوشی رات دن سیر باغ	نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ
سدا عیش و عشرت سدا راگ رنگ	نہ تھا زیست سے اپنی کوئی تنگ
غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ	عجب شہر تھا وہ عجب بادشاہ
نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر	ہوئے اُس کی دولت سے گھر گھر امیر
کہانتک کہوں اسکا جاہ و حشم	محل و مکاں اسکا رشکِ ارم[1]
سدا ماہرویوں سے صحبت اُسے	سدا جامہ زیبوں سے رغبت اُسے
ہزاروں پری پیکر اُسکے غلام	کمربستہ خدمت میں حاضر مدام
کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم	مگر ایک اولاد کا تھا الم
اسی بات کا اُسکے تھا دل پہ داغ	نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ
دنوں[2] کا عجب اُسکے یہ پھیر تھا	کہ اس روشنی پہ یہ اندھیر تھا
وزیروں کو اک روز اُسنے بلا	جو کچھ دل کا احوال تھا سو کہا
کہ میں کیا کروں گا یہ مال و منال	فقیری کا ہے میرے دل کو خیال
فقیر اب نہ ہوں تو کروں کیا علاج	نہ پیدا ہوا وارث تخت و تاج
جوانی تو میری گئی اب گذر	ہوا دور پیری ہوئی سربسر

ا۔ شداد کی بنائی ہوئی جنت ۱۲ ۔ ۲ ۔ دنوں کا پھیر گردش قسمت ۱۲ آسی۔

دریغا کہ عہد جوانی گذشت[1] | جوانی بگو زندگانی گذشت
بہت ملک پر جان کھویا کیا | بہت فکر دنیا میں سو یا کیا
زہے[2] بے تمیزی و بے حاصلی | کہ از فکر دنیا و دیں غافلی
وزیروں نے کی عرض کاے[3] آفتاب | نہ ہووے نہ تجھ کو کبھی اضطراب
فقیری جو کیجے تو دنیا کے ساتھ | نہیں خوب جانا اُدھر خالی ہاتھ
کرو سلطنت لیکن اعمال نیک | کہ تا دو جہاں میں رہے حال نیک
جو عاقل ہوں وہ سوچ میں تک[4] رہیں | کہ ایسا نہ ہووے کہ پھر سب کہیں
نکوکار[5] زیں را نکو ساختی | کہ با آسماں نیز پرداختی
یہ دنیا جو ہے مزرع[6] آخرت | فقیری میں ضائع کرو اسکو مت
عبادت سے اس کشت[7] کو آب دو | کہ واں جاکے خرمن بھی تیار لو
رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات | کہ اس فیض سے ہو تمہاری نجات
مگر ہاں جو اولاد کا ہے یہ غم | سو اسکا تردد بھی کرتے ہیں ہم
عجب کیا کہ ہووے تمہارے خلف[8] | کرو تم نہ اوقات اپنی تلف
نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو | کہ قرآں میں آیا ہے لاتقنطوا[9]
بلاتے ہیں ہم اہل تنجیم[10] کو | نصیبوں کو اپنے ذرا دیکھ لو
تسلی تو دی شاہ کو اس نمط[11] | وے اہل تنجیم کو بھیجے خط

---

۱ افسوس کہ جوانی کا زمانہ گذر گیا جوانی کیوں کہو زندگی ہی گذر گئی ۱۲ - آسی ۲ ترجمہ تو عجب بے تمیز اور فضول آدمی ہے کہ دنیا اور دین کی فکر سے تو غافل ہے ۱۲ ۳ کاے - کہ اے ۱۲ ۴ تک - ذرا ۵ ترجمہ تو نے دنیا کا کام خوب بنایا ہے - کہ آسمان کی طرف توجہ کی ہے ۱۲ ۶ مزرع کھیت - کھیتی ۱۲ ۷ کشت کھیتی ۱۲ ۸ خلف لڑکا باپ کا قائم مقام ۱۲ ۹ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو ۱۲ ۱۰ اہل تنجیم - نجومی ستارہ شناس ۱۲ ۱۱ نمط طرح ۱۲ - آسی

نجومی و رمال اور برہمن ۔ غرض یاد تھا جنکو اس ڈھب کا فن

بلاکر انھیں شہ کنے[1] لے گئے ۔ جوں ہی روبرو سب وہ شہ کے گئے

پڑا جب نظر وہ شہ تاج و تخت ۔ دعا دی کہ ہوں شہ کے بیدار بخت

کیا قاعدے سے ٹھہر کر سلام ۔ کہا شہ نے میں تم سے رکھتا ہوں کام

نکالو ذرا اپنی اپنی کتاب ۔ مرا ہے سوال اسکا لکھو جواب

نصیبوں میں دیکھو تو میرے کہیں ۔ کسی سے بھی اولاد ہے یا نہیں

یہ سنکر وہ رمال طالع شناس ۔ لگے کھینچنے زائچے[2] بے قیاس

دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ ۔ لگا دھیان اولاد کا اسکے ساتھ

جو پھینکیں تو شکلیں کئی بیٹھیں مل ۔ کسی شکل سے دل گیا انکا کھل

جماعت نے رمال کی عرض کی ۔ کہ ہے گھر میں امید[3] کی کچھ خوشی

یہ سن ہم سے اے عالموں کے شفیق ۔ بہت ہم نے تکرار کی ہر طریق

بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی ۔ تو ایک ایک نقطہ ہے فرد خوشی

ہے اس بات پر اجتماع تمام ۔ کہ طالع میں فرزند ہے تیرے نام

زن و زوج کی شکل[4] میں ہے فرح ۔ پیا کیجے وصل کا تو قدح

نجومی بھی کہنے لگے در جواب ۔ کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب

نحوست کے دن سب گئے ہیں نکل ۔ عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل[5]

ستارے نے طالع نے بدلے ہیں طور ۔ خوشی کا کوئی دم میں آتا ہے دور

---

[1] پاس ۱۲ [2] زائچہ۔ جنم پترا۔ وہ شکلیں جو رمال سوال کا جواب دیتے وقت بناتے ہیں ۱۲ [3] امید۔ حمل ۱۲ [4] نام اشکال رمل کا ۱۲ [5] ایک ستارہ جس کو منحوس بتایا جاتا ہے ۱۲ آسی

نظر کی جو تسدیس و تثلیث پر / تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر

کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار / تو کچھ انگلیوں پر کیا پھر شمار

جنم پترا شاہ کا دیکھ کر / تلا اور برچھیک پر کر نظر

کہا رام جی کی ہے تجھ پر دیا / چندرماں سا بالک ترے ہوئیگا

نکلتے ہیں اب تو خوشی کے سجن / نہ ہو گر خوشی تو نہیں برہمن

مہاراج کے ہوں گے مقصد شتاب / کہ آیا ہوا اب پانچواں آفتاب

نصیبوں نے کی آپ کے یاوری / کہ آئی ہوا اب ساتویں مشتری

مقرر ترے جا ہیئے ہو پسر / کہ دیتی ہے یوں اپنی پوتھی خبر

ولیکن مقدر ہے کچھ اور بھی / کہ ہیں اس بھلے میں ترے طور بھی

یہ لڑکا تو ہوگا دلے کیا کہیں / خطر ہوا سے بارھویں برس میں

نہ آئے یہ خورشید بالا ے بام / بلندی سے خطرہ ہے اسکو تمام

نہ نکلے یہ بارہ برس رشک مہ / رہے برج میں یہ مہ چاردہ

کہا سنکے یہ شہ نے انکے تئیں / کہو جی کا خطرہ تو اسکو نہیں

---

[1] تسدیس اہل نجوم کی اصطلاح میں اسکو کہتے ہیں کہ دو ستاروں کے درمیان تین برج یا گیارہ کا فاصلہ ہو جیسے قمر حمل میں ہو اور مشتری جوزا میں یا قمر جوزا میں ہو اور مشتری حمل میں۔ اور یہ نیم دوستی ہے اور اس کو تسدیس اس لیے کہتے ہیں کہ قمر اور دوسرے ستارے میں ساٹھ درجہ کا فاصلہ ہو جو آسمان کا چھٹا حصہ ہوتا ہے ۱۲

[2] تثلیث اصطلاح اہل نجوم میں قمر کا سعد ستارہ کے ساتھ پانچ یا نو برجوں کے فاصلہ پر ہونا جیسے کہ قمر حمل میں ہو اور مشتری اسد میں۔ یا مشتری قوس میں ہو اس صورت میں حمل سے اسد تک پانچ اور حمل سے قوس تک نو فاصلہ ہیں ان سے نظر دوستی تمام کا پتہ دیتی ہے اور یہ ستارہ سعد خادم اور ناظر سمجھا جائیگا اور اسکو تثلیث اس سبب کہتے ہیں کہ قمر اور سعد میں فاصلہ بحساب درجات آسمان کا تیسرا حصہ ہوتا ہے ۱۲ [3] فکر، غور ۱۲ [4] تلا برج میزان ۱۲

[5] برچھیک برج عقرب ۱۲ [6] دیا۔ مہربانی ۱۲ [7] چندرماں۔ چاند سا ۱۲ [8] بالک۔ لڑکا ۱۲ [9] سجن۔ باتیں ۱۲

[10] علامت خوشی بحساب نجوم ۱۲ [11] علامت سرور بحساب نجوم ۱۲ [12] پوتھی سے مراد یہاں جنتری یا نجوم کی کتاب ہے ۱۲

کہا جان کی سب طرح خیر ہے — مگر دشت غربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اُسپہ عاشق ہو جن و پری — کوئی اسکی معشوق ہو استری[۵۱]
کچھ ایسا نکلتا ہے پوتھی مین اب — خرابی ہو اس پر کسی کے سبب
ہوئی کچھ خوشی شہ کو اور کچھ الم — کہ دنیا میں توام ہی شادی و غم
کہا شہ نے اس پر نہیں اعتبار — جو چاہے کرے میرا پروردگار
یہ فرما محل میں درآمد ہوے — منجم وہان سے برآمد ہوے
خدا پر زبس اسکو تھا اعتقاد — لگا مانگنے اپنے حق سے مراد
خدا سے لگا کرنے وہ التجا — لگا آپ مسجد میں رکھنے دیا[۵۲]
نکالا مرادوں کا آخر سراغ[۵۳] — لگائی اُدھر لو[۵۴] تو پایا چراغ
سحاب کرم نے کیا جو اثر — ہوئی کشت اُمید کی بارور
اُسی سال میں یہ تماشا سنو — رہا حمل اک زوجۂ شاہ کو
جو کچھ دل پہ گذرے تھے رنج و تعب — مبدل ہوے وہ خوشی ساتھ سب

داستان تولد ہونے شاہزادہ بے نظیر کی

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب — کوئی دم میں بجتا ہے چنگ و رباب[۵۵]
کروں نغمۂ تہنیت[۵۶] کو شروع — کہ اک نیک اختر کرے ہے طلوع
گئے نو مہینے جب اُسپر گذر — تولد ہوا شہ کے گھر میں پسر

۵۱ استری۔ عورت ۱۲ ۵۲ دیا۔ چراغ ۱۲ ۵۳ کھوج ۱۲ ۵۴ تماشا سے مراد یہان عجیب بات ہے ۱۲
۵۵ چنگ ایک ستار کی قسم کا باجا۔ رباب سارنگی کی قسم کا ایک باجا ۱۲ ۵۶ تہنیت۔ مبارکباد ۱۲
۵۷ لو لگنے توجہ ۱۲ - آسی -

عجب صاحب حسن پیدا ہوا — جسے مہر و مہ دیکھ شیدا ہوا
نظر کو نہ ہو حسن پر اُسکے تاب — اُسے دیکھ بیتاب ہو آفتاب
ہوا وہ جو اس شکل سے دلپذیر — رکھا نام اُس کا شہ بے نظیر
خواصوں[1] نے خواجہ سراؤں[2] نے جا — کئی نذریں[3] گذرانیاں[4] اور کہا
مبارک تجھے اے شہ نیکبخت — کہ پیدا ہوا وارث تاج و تخت
سکندر نژاد اور دارا حشم — فلک مرتبت اور عطارد رقم
رہے اُس کے اقلیم زیر نگیں — غلامی کریں اسکی خاقان چین
یہ سنتے ہی مژدہ سمجھا جا نماز — کیے لاکھ سجدے کرلے بے نیاز
تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار[5] — نہ ہو تجھ سے مایوس اُمیدوار
دوگانہ[6] غرض شکر کا کر ادا — تہیہ کیا شاہ نے جشن کا
وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کی لے — اُنھیں خلعت و زر کا انعام دے
کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو — کہو خانساماں سے تیار ہو
نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا — کہ نقارخانے میں دو حکم جا
کہ نوبت[7] خوشی کی بجادیں تمام — خبر سنکے یہ شاد ہوں خاص و عام
یہ مژدہ جو پہونچا تو نقارچی — لگا ہر جگہ بادلہ[8] اور زری

[1] خواص۔ وہ مرد یا عورتیں جو مصاحبت کا کام کرتی یا خاص خدمتوں پر متعین ہوتی تھیں ۱۲ [2] خواجہ سرا ایک قسم کے زنانے جو شاہی محلات میں مختلف خدمات انجام دیتے تھے ۱۲ [3] نذر۔ وہ تحفہ جو بڑے لوگوں (امرا، بادشاہوں وغیرہ) کو بطور پیشکش دیا جائے ۱۲ [4] گذرانیاں زبان قدیم ہے آجکل گذرانیں کہتے ہیں ۱۲ [5] بار۔ دیر ۱۲ [6] دوگانہ دو رکعت ۱۲ [7] نوبت بجا۔ نقارے بجنا [8] بادلہ ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بنا جاتا ہے نقارچی زینت کیلئے اپنے نقارہ پر رکھ کر بیٹھتے ہیں

بنا ٹھاٹھ[1] نقار خانے کا سب ‏— مہیا کر اسباب عیش و طرب

غلاف اُن پہ بانات پہ زر کے ٹانک ‏— شتابی سے نقار دنکو سینک سانک

دیا چوب کو پہلے بم سے ملا ‏— لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا

کہا زیر[2] نے بم سے بھر شگون ‏— کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں

بجے شادیانے[3] جو واں اُس گھڑی ‏— ہوئی گرد و پیش آکے خلقت کھڑی

بہم مل کے بیٹھے جو شہنا نواز[4] ‏— بنا منھ سے پھر کی لگا اُس پہ ساز

سروں پر وہ سرپیچ[5] معمول کے ‏— خوشی سے ہوئے گال گل پھول کے

لگے لینے اوپچ[6] خوشی سے نئی ‏— اڑانا[7] لگا بجنے اور سگھڑئی

ٹکورو[8] نہیں نوبت کی شہنا کی دھن ‏— سگھڑ سننے والوں کو کہتی تھی سن

نرھئی[9] اور قرنا ے شادی کے دم ‏— لگے بھرنے زیل اور کھرج میں بہم

سنی جھانجھ[10] نے جو خوشی کی نوا ‏— تھرکنے لگا تالیوں کو بجا

نئے سر سے عالم کو عشرت ہوئی ‏— کہ لڑکے کے ہونیکی نوبت ہوئی

---

[1] ٹھاٹ۔ طور۔ طریقہ۔ طرز۔ دھوم دھام۔ سامان۔ زینت۔ آرائش ۱۲ [2] زیر نیچا سُر۔ بم اونچا سُر ۱۲ [3] نوبت جو شادی میں بجائی جاتی ہے۔ وہ آواز جو سب باجوں سے مجتمع ہوکر نکلتی ہے ۱۲ [4] شہنا نواز۔ شہنائی بجانے والے ۱۲ [5] سرپیچ۔ پگڑی کے اوپر کا چھوٹا کپڑا پگڑی میں لگانے کا ایک زیور ۱۲ [6] اُپج۔ تان۔ بول۔ نئے سر کو ملا کر گانے والے جو چیز پیدا کرتے ہیں وہ اپج ہے ۱۲ [7] اڑانا۔ اڈانا۔ سگھڑئی۔ سوہلا۔ بندھن وار وغیرہ شادی یا تولد کے موقع پر گائے جاتے ہیں یہ سب گانے کی چیزیں ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ اڈانا ایک راگ ہے جو تانسین کی ایجاد ہے ۱۲ [8] ٹکور۔ چانٹ۔ انکی ضرب ۱۲ [9] نرھئی اور قرنا دو باجوں کا نام۔ زیل چڑھا سر۔ کھرج اترا سر ۱۲ [10] جھانجھ یعنی وہ جھانجھ جو نقارے کے ساتھ بجاتے ہیں اس میں سے تالی کی آواز بھی نکلتی ہے ۱۲ عبدالباری آسی۔

محل سے لگا تا بدیوان[1] عام — عجب طرح کا اک ہوا ازدحام

چلے لے گئے نذریں امیر و وزیر — لگے کھینچنے زر کے تودے فقیر

دیے شاہ نے شاہزادے کے ناؤں — مشائخ کو اور پیرزادوں کو گاؤں

امیروں کو جاگیر لشکر کو زر — وزیروں کو الماس لعل و گہر

خواصوں کو خوجوں کو جوڑے دیے — پیادے جو تھے انکو گھوڑے دیے

خوشی میں کیا یاں تلک زر نثار — جسے ایک دینا تھا بخشے ہزار

کیا بھانڈ اور بھگتیوں[2] نے ہجوم — ہوئی آہر آہر مبارک کی دھوم

لگا کنچنی[3] چونہ پزنی[4] تمام — کہانتک میں لوں نرتکاروں[5] کے نام

جہانتک کہ سازندے تھے سازکے — دھنی[6] دست کے اور آواز کے

جہانتک کہ تھے گاتک[7] اور رہت کار — لگے گانے اور ناچنے ایک بار

لگے بجنے قانون[8] و بین[9] و رباب — بہا ہر طرف جوئے عشرت کا آب

[1] دیوان عام ۔ عام دربار کا مکان ۔ ازدحام ہجوم بھیڑ ۱۲ [2] بھگتیا ۔ سانگیا ۔ سوانگ بھرنے والا ۔ بھگت بازوہ فرقہ جو گانے والے لڑکوں کو تعلیم دیتا ہے ناچنے والے لڑکوں کے سفر دائی ۔ استاد ۔ سازندے ۱۲ [3] کنچنی ۔ گدڑیہی ۔ گھڑ چڑھی ۔ بیڑن میرشکار یہ سب کسبیوں کے فرقے ہیں ۔ اُن میں بیڑن اور گھڑ چڑھی ہندو فرقے ہیں ۔ گدڑیہی سب سے اعلیٰ فرقہ ہے ۱۲ [4] چونہ پزنی ۔ چونے والی ۔ ڈومنیوں کا ایک فرقہ جو بچہ پیدا ہونے میں گانے کے لیے آتی ہیں ۱۲ [5] نرت کار ۔ گانے کا فن برتنے والے ۱۲
[6] دھنی دست کے اور آواز کے ۔ یعنی ساز بجانے یا گانے والے ۱۲ آسی —
[7] گاتک ۔ گانے والا ۔ رہت کار ۔ نرت وغیرہ بتانے والا ۔ ناچنے والا ۱۲
[8] قانون ایک باجے کا نام ۱۲ آسی ۔
[9] بین ۔ رباب ۔ سازوں کے نام ۔ ربابیہ ۔ رباب بجانے والا ۱۲ آسی

لگی تھاپ[1] طبلوں کی مردنگ کی | صدا اونچی ہونے لگی چنگ[2] کی
کمانچوں[3] کو سارنگیوں کو بنا | خوشی سے ہر اک اُنکی تربیں[4] ملا
لگا موم تاروں پہ مرچنگ[5] کے | ملا سُر طنبوروں کے اک رنگ کے
ستاروں[6] کے پردے بنا کر درست | بجانے لگے سب وہ چالاک و چُست
گئی بائیں[7] کی آسماں تک گمک | اُٹھا گنبدِ چرخ سارا دھمک
خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط | لگے ناچنے اُس پہ اہلِ نشاط[8]
کناری کے جوڑے جھمکتے ہوئے | وہ پاؤں کے گھنگرو چھنکتے ہوئے
وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں | پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں
وہ[9] گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ | دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ

---

[1] تھاپ۔ چاروں اُنگلیوں کی آواز جو طبلے یا مردنگ سے نکلے۔ مردنگ پکھاوج ۱۲

[2] چنگ وہ باجہ جو بڑی ڈفلی کی صورت میں ہوتا ہے اور اُس میں جھانجھ گھنگرو وغیرہ لگے ہوتے ہیں۔ اس کے بجانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں جھلّا ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے بجاتے ہیں۔ جھلّے والے ہاتھ سے چانٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ چنگ ستار کی قسم کا ایک باجہ ہے ۱۲ آسی۔

[3] کمانچہ۔ سارنگی وغیرہ بجانے کا گز ۱۲ آسی

[4] تربیں وہ کھونٹیاں جن سے ستار یا سارنگی کے تار درست کرتے ہیں ۱۲۔

[5] مرچنگ ایک باجہ جو منھ میں دبا کر اُنگلیوں سے بجاتے ہیں ۱۲۔

[6] ستاروں کے پردے یعنی سیندری ۱۲۔ آسی

[7] بایاں وہ طبلہ جو مٹی کی کونڈی یا تانبے وغیرہ کے ظرف پر منڈھا ہوتا ہے۔ اور دایاں وہ جو لکڑی کے ڈھانچے پر ہوتا ہے۔ گمک۔ گنگار کی آواز۔ یہ آواز صرف بائیں میں ہوتی ہے اور تھاپ اور چانٹ طبلے میں ۱۲ [8] اہلِ نشاط۔ ناچنے گانے والے ۱۲۔

[9] گھٹنا بڑھنا۔ بھاؤ بتاتے ہوئے گانے والے کا آگے قدم رکھنا اور پیچھے ہٹنا۔ اس کو ادا بھی کہتے ہیں آواز کی گھٹ بڑھ چھب ادا۔ گھٹ بڑھ کو چال بھی کہتے ہیں بہتر یہ کہ چال کی نقل جو ناچ میں کی جاتی ہے وہ مٹک کی چال ہے۔ ۱۲ آسی

کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا　　نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا

دکھانا کبھی اپنی چھب[1] مسکرا　　کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا

کسی کے چمکتے ہوئے نورتن[2]　　کسی کے وہ گھگھرے پہ پٹھّے کی پھبن

وہ دانتوں کی مسّی وہ گلبرگ تر　　شفق میں عیاں جیسے شام و سحر

وہ گرمی[3] کا چہرہ کہ جوں آفتاب　　جسے دیکھ کر دل کو ہو اضطراب

چمکنا گلوں کا صفا کے سبب　　وہ گردن[4] کے ڈورے قیامت غضب

کبھی منہ کے تئیں پھیر لینا اُدھر　　کبھی چوری چوری سے کرنا نظر

دوپٹے کو کرنا کبھی منہ کی اوٹ[5]　　کہ پردے میں ہو جاوے دل لوٹ پوٹ

ہر اک تان میں اُن کو ارمان یہ　　کہ دل لیجے تان[6] کی جان یہ

کوئی فن میں سنگیت[7] کے شعلہ زن　　پرم[8] جوگ چھپی کے لے پرملو[9]

---

[1] چھب آرائش، ناز و انداز ۱۲ [2] نورتن ایک زیور جو بازو پر باندھا جاتا ہے ۱۲

[3] گرمی کا چہرا۔ خوشی کے جوش میں تمتماتا چہرا ۱۲ [4] گردن کے ڈورے۔ وہ جنبش جو ناچنے والا گردن کو دیتا ہے اور سر سینے وغیرہ کو اس سے جنبش نہیں ہوتی کہا گیا ہے کہ یہ ادا بنگلے سے لی گئی ہے۔ جیسے کہ وہ ٹنکار کرنے میں گردن کو خفیف اور خوبصورت جنبش دیتا ہے اسی طرح ناچنے والا بھی کرتا ہے ۱۲ [5] اوٹ۔ آڑ ۱۲

[6] تان کی جان۔ یعنی تان کا حاصل ۱۲ آسی

[7] سنگیت فن رقص کے متعلق ایک چیز جسے بڑے گانے والے اور ناچنے والے سیکھتے ہیں ۱۲ آسی۔

[8] پرم۔ جوگ۔ چھپی۔ سوارتی۔ بہٹ۔ منگل۔ سول۔ چھب تالا۔ اکتالا۔ آڑا چوتالا۔ جھمرا۔ تلوارا۔ چاچر۔ یہ سب تالیں طبلے اور پکھاوج سے بجتی ہیں ۱۲ آسی

[9] پرملو۔ ناچنے والوں کے یہاں چند ٹکڑے ہیں جو پاؤں سے نکالتے ہیں طبلے اور پکھاوج میں اُن کا جواب ہاتھ سے نکالا جاتا ہے ۱۲ عبد الباری آسی۔

کوئی ڈیڑھ گت ہی میں پاؤں تلے ۔ کھڑی عاشقوں کے دلوں کو ملے
کوئی دائرے[1] میں بجا کر پرن ۔ کوئی دھمدھمی[2] میں جتا اپنا فن
غرض ہر طرح دل کو لینا انھیں ۔ کئی طرح سے داغ دینا انھیں
کبھی مار ٹھوکر کریں قتل عام ۔ کبھی ہاتھ اٹھا لیویں گرتوں کو تھام
کہیں دھرپت[3] اور گیت کا شور و غل ۔ کہیں قول[4] و قلبانہ و نقش و گل
کہیں بھانڈ اور لولیوں[5] کا سماں ۔ کہیں ناچ کشمیریوں[6] کا وہاں
چھیڑا پکھاوج گلے ڈال ڈھول ۔ بجاتے تھے اسجا کھڑے باندھ غول
محل میں جو دیکھو تو اک ازدحام ۔ مبارک سلامت کی تھی دھوم دھام
پری پیکروں کا ہر اک جا ہجوم ۔ وہاں بھی پڑی عیش و عشرت کی دھوم
چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات ۔ کہ دن عید اور رات تھی شب برات
بڑھا ابر ہی ابر میں جوں ہلال ۔ محل میں لگا پلنے وہ نونہال
برس گانٹھ[7] جس سال اسکی ہوئی ۔ دل بستگاں کی گرہ کھل گئی

[1] دائرہ۔ ایک قسم کی بڑی ڈفلی کی طرح ہوتا ہے جس سے پرن نکلتی ہے۔ ناچنے والے اسے پیر کی جنبش سے نکالتے ہیں پکھاوج میں ہمیشہ پرن بجتی ہے ۱۲

[2] دھمدھمی ایک قسم کی ڈفلی خنجری دھمدھانا زور سے پاؤں زمین پر مارنا اور اس سے آواز نکالنا۔ اس صورت میں دھمدھمے بھی پڑھا جاتا ہے بعض نے دھمدھمی بتایا ہے ۱۲

[3] دھرپت۔ دروپد۔ اسکو استک بھی کہتے ہیں یہ صرف چوتالے پر گائی جاتی ہے اس میں تان مُرکی زمزمہ نہیں لیا جاتا بلکہ اس میں صرف بول کی اپج ہوتی ہے ۱۲

[4] قول وقلبانہ۔ وہ چیز جو قوال بجے اپنا گانا شروع کرتے وقت گاتے ہیں ۱۲

[5] لولی۔ رنڈی ۱۲ آسی

[6] کشمیری۔ ایک ناچنے والا فرقہ ۱۲ آسی

[7] برس گانٹھ۔ سالگرہ ۱۲ آسی

وہ گل جب کہ چوتھے برس میں لگا
بڑھایا[1] گیا دودھ اس ماہ کا

ہوئی تھی جو کچھ پہلے شادی کی دھوم
اسی طرح سے پھر ہوا واں ہجوم

طوائف وہی اور وہی راگ رنگ
ہوئی بلکہ دونی خوشی کی ترنگ

وہ گل پاؤں سے اپنے جس جا چلا
وہاں آنکھ کو نرگسوں نے ملا

لگا پھرنے وہ سرو جب پاؤں پاؤں
کیے بردے[2] آزاد تب اُسکے ناؤں

داستان تیاری میں باغ کی

مئے ارغوانی پلا ساقیا
کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا[ع]

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جسکے لالہ کو داغ

عمارت کی خوبی دروں کی وہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان

چھتیں اور پردے بندھے زرنگار
دروں پر کھڑی دست بستہ بہار

کوئی ڈورے سے در پہ اٹکا ہوا
کوئی زہ[3] پہ خوبی سے لٹکا ہوا

وہ مقیش[4] کی ڈوریاں سر بسر
کہ مہ کا بندھا جس میں تار نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری مغرق[5] چھتیں ساریاں[6]
وہ دیوار اور در کی گلکاریاں

دیے ہر طرف آئنے جو لگا
گیا چوگنا لطف اُس میں سما

---

[1] دودھ بڑھانا۔ بچہ کا دودھ چھڑانا ۱۲ [2] بردہ۔ لونڈی غلام ۱۲ [3] زہ۔ ڈوری کنارہ ہر چیز کا ۱۲ [4] مقیش۔ زری۔ سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا ۱۲۔ [5] مغرق۔ جگمگاتا۔ چمکتا۔ چاندی سونے میں لپا ہوا ۱۲ [6] ساریاں تمام ساریوں کی جمع۔ اب اس معنی میں اس طرح نہیں لکھتے ۱۲ [ع] دل چلا یعنی آمادہ ہوا ۱۲ آسی

وہ مخمل کا فرش اسکا ستھرا کہ بس — بڑھے جسکے آگے نہ پائے ہوس

رہیں لخلخے[1] اُس میں روشن مدام — معطر شب و روز جس سے مشام

چھپرکھٹ[2] مرصع کا دالان میں — چمکتا تھا اسطرح ہر آن میں

زمیں پر تھی اس طور اُسکی جھمک — ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں — کہ صندل کا تھا ایک تختہ عیاں

بنی سنگ مرمر کی چوپڑ[3] کی نہر — گئی چار سو اُسکے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اُسکے سرو سہی[4] — کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی

کہوں کیا میں کیفیت دار بست[5] — لگائے رہیں تاک واں سے پیوست

ہوائے بہاری سے گل لہلہے[6] — چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے[7]

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ — روش پر جواہر لگے جیسے سنگ

روش کی صفائی پہ بے اختیار — گل اشرفی[8] نے کیا زر نثار

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن — کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن[9]

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا — کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شب بو کے ہر جا نشان — مدن بان[10] کی اور ہی آن بان

کہیں ارغواں[11] اور کہیں لالہ زار — جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار

۱؎ لخلخے۔ خوشبودار بتیاں وغیرہ ۱۲ ۲؎ چھپرکھٹ مرصع کار۔ جڑاؤ بڑی مسہری ۱۲ ۳؎ چوپڑ کی نہر۔ چار خانہ دار۔ چار طرف بہنے والی ۱۲ ۴؎ سرو سہی۔ سیدھا سرو ۱۲ ۵؎ دار بست۔ انگور وغیرہ کی بیل چڑھانے کی ٹٹی ۱۲ ۶؎ لہلہا۔ شاداب ۱۲ ۷؎ ڈہڈہا۔ سرسبز شاداب ۱۲ ۸؎ ایک قسم کا گل زرد پھول ۱۲ ۹؎ یاسمن چنبیلی ۱۲ ۱۰؎ مدن بان۔ بیلے کی قسم کا ایک پھول ۱۲ ۱۱؎ ارغواں۔ سرخ رنگ کا ایک پھول ۱۲ عبدالباری آسی۔

کہیں جعفری اور گیندا کہیں / سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار / ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار
کھڑے سرو کی طرح چمپے کے جھاڑ / کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن / عجب رنگ پر زعفرانی چمن
پڑی آب جو ہر طرف کو بہے / کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا / اسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر / نشے کا سا عالم گلستان پر
لیے ہاتھ میں سلپچی مالنیں / چمن کو لگیں دیکھنے بھالنیں
کہیں تخم پاشی کریں گود کر / پنیری جماویں کہیں کھود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال / رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد / اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو / دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے / لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور / درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور
چمن آتش گل سے دہکا ہوا / ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول / پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول

۱ ایک قسم کا زرد گیندے کا پھول۔ بعض گیندا اور بعض جعفری و اشرفی کو ایک جانتے ہیں ۱۲
۲ داؤدی ایک قسم کا زرد اور سفید رنگ کا پھول اس کو گل داؤدی بھی کہتے ہیں ۱۲
۳ نسرین ایک پھول جسے مشکیچہ بھی کہتے ہیں ۱۲ ۴ نسترن ایک پھول جس کو سیوتی بھی کہتے ہیں ۱۲ ۵ خیابان۔ باغ کے بیچ کا راستہ۔ کیاری ۱۲ ۶ چھوٹی پود ۱۲
۷ جد نہ تد۔ مراد گاہ بیگاہ ۱۲ ۸ قاز۔ دریائی بط ۱۲ ۹ قرقرا۔ ایک آبی پرند ۱۲

وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں ۔ لگی جائیں آنکھیں لیے جسکا ناؤں

خوشی سے گلوں پر سدا بلبلیں ۔ تعشق کی آپس میں باتیں کریں

درختوں نے برگوں کے کھولے ورق ۔ کریں طوطیاں بوستاں کا سبق

سماں قمریاں دیکھ اُس آن کا ۔ پڑھیں باب پنجم گلستان کا

دَدا دائیاں اور مغلانیاں ۔ پھریں ہر طرف اُس میں جلوہ کناں

خواصوں کا اور لونڈیوں کا ہجوم ۔ محل کی وہ چہلیں وہ آپس کی دھوم

تکلف کے پہنے پھریں سب لباس ۔ رہیں رات دن شاہزادے کے پاس

کنیزان مہرو کی ہر طرف ریل ۔ چنبیلی کوئی اور کوئی رائے بیل

نکیلی کوئی اور کوئی شام روپ ۔ کوئی چت لگن اور کوئی کام روپ

کوئی کیتکی اور کوئی گلاب ۔ کوئی مہرتن اور کوئی ماہتاب

کوئی سیوتی اور ہنس مکھ کوئی ۔ کوئی دل لگن اور تن سکھ کوئی

ادھر اور اُدھر آتیاں جاتیاں ۔ پھریں اپنے جوبن کو دکھلاتیاں

کہیں اپنے پٹے سنوارے کوئی ۔ اری اور تری کہہ پکارے کوئی

۱؎ آنکھ لگنا نیند آنا ۱۲ ۲؎ ددا وہ عورت جو بچوں کی خدمت پر مقرر ہو ۱۲ ۳؎ دائی جنائی وہ عورت جو میکے سے عروس کے ساتھ خدمت کرنے کے لیے آتی ہے ۱۲ ۴؎ مغلانی۔ وہ عورت جس کے سپرد سینے پرونے کی خدمت ہو ۱۲ ۵؎ خواص۔ ممتاز خدمتگار عورتیں مصاحبت کرنے والی عورتیں ۱۲ ۶؎ لونڈی۔ باندی ۱۲ ۷؎ چہل ہنسی مذاق ۱۲ ۸؎ ریل ہجوم بھیڑ ۱۲ ۹؎ چنبیلی۔ رائے بیل۔ چنپا وغیرہ نام اس قسم کی عورتوں کے ہوتے ہیں جو امراء کی خدمتگاری میں رہتی ہیں ۱۲ ۱۰؎ یہ سبھی عورتوں کے نام ہیں اس کے بعد کے دو شعروں میں بھی نام ہیں ۱۲ ۱۱؎ آتیاں جاتیاں۔ دکھلاتیاں۔ یہ سب جمعیں ہیں اب اس طرح نہیں بولتے ۱۲ ۱۲؎ پٹے۔ تراشے ہوئے بال۔ دلی میں ہائے مخلوط کے ساتھ بولتے ہیں ۱۲ ۱۳؎ اری اور تری زبان عوام میں مستعمل ہے ۱۲

کہیں چٹکیاں اور کہیں تالیاں ۔ قہقہے کہیں اور کہیں گالیاں

بجاتی پھرے کوئی اپنے کڑے ۔ کہیں ہو رہی اور کہیں اچھڑے

دکھاوے کوئی گوکھرو موڑ موڑ ۔ کہیں سوت بولے کہیں تار توڑ

ادا سے کوئی بیٹھی حقہ پیے ۔ دم دوستی کوئی بھر بھر جیے

کوئی حوض میں جا کے غوطہ لگائے ۔ کوئی نہر پہ پاؤں بیٹھی ہلائے

کوئی اپنے طوطے کی لیوے خبر ۔ کوئی اپنی مینا پہ رکھے نظر

کسی کو کوئی دھول مارے کہیں ۔ کوئی جان کو اپنی وارے کہیں

کوئی آرسی اپنے آگے دھرے ۔ ادا سے کہیں بیٹھی کنگھی کرے

مقابہ کوئی کھول مسی لگائے ۔ لبوں پر دھڑی کوئی اپنے جمائے

ہوا ان کلوں سے دوبالا سماں ۔ اسی باغ میں تھا وہ سرو رواں

غرض لوگ سمجھے یہ جو ہر کام کے ۔ یہ سب واسطے اسکے آرام کے

پلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ ۔ پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ

ہوئی اسکے مکتب کی شادی عیاں ۔ ہوا پھر انھیں شادیوں کا سماں

معلم اتالیق منشی ادیب ۔ ہر اک فن کے استاد بیٹھے قریب

کیا قاعدے سے شروع کلام ۔ پڑھانے لگے علم اس کو تمام

دیا تھا زبس حق نے ذہن رسا ۔ کئی سال میں علم سب پڑھ چکا

سلہ واچھڑے ۔ قدیم کا طنزیہ کلمہ ہے جو داد چہ خوشی کی جگہ مستعمل تھا اب اس طرح نہیں بولتے ۱۲ سلہ گوکھرو ٹکیہ کا موڑا ہوا گوٹا ۱۲ سلہ تار توڑ ۔ ایک قسم کا چوبی کا کام ۱۲ سلہ دھول ۔ دھپ ۔ چانٹا ۔ تھپڑ ۱۲ ھ؎ مقابہ ۔ سنگاردان ۱۲ سلہ دھڑی جانا ہونٹوں پر مسی کی تہ جمانا ۱۲ ھ؎ مکتب کی شادی ۔ تقریب بسم اللہ خوانی ۱۲ ۔ اتالیق ۔ ادب سکھانے والا ۱۲

معانی و منطق بیان و ادب
پڑھا اُسنے منقول و معقول سب

خبردار حکمت کے مضمون سے
غرض جو پڑھا اُسنے قانون سے

لگا ہیئت و ہندسہ تا نجوم
زمیں آسماں میں پڑی اُسکی دھوم

کیے علم نوکِ زباں حرف حرف
اسی نحو سے اُسنے کی عمر صرف

عطارد کو آنے لگی اُس کی ریس
ہوا سادہ لوحی میں وہ خوشنویس

ہوا جبکہ نوخط وہ شیریں رقم
بڑھا کر لکھے سات سے تو قلم

لیا ہاتھ جب خامۂ مشک بار
لکھا نسخ و ریحان و خطِ غبار

عروس الخطوط اور ثلث و رقاع
خفی اور جلی مثل خطِ شعاع

شکستہ لکھا اور تعلیق جب
رہے دیکھ حیران اتالیق سب

کیا خط گلزار سے جب فراغ
ہوا صفحۂ قطعہ گلزار باغ

کروں علم اُسکا کہاں تک بیاں
کہ ہے خوب اب مختصر یہ بیاں

کماں کے جو ورزش ہوا بے نظیر
لیا کھینچ چلّے میں سب فن تیر

صفائی میں سوفار پیکان کیا
کیا جبکہ تودہ پہ طوفان کیا

۱؎ منقول علم حدیث وغیرہ معقول منطق فلسفہ وغیرہ ۱۲ ۲؎ قانون قاعدہ اور ایک کتاب کا نام جو بوعلی سینا کی تصنیف ہے ۳؎ ہیئت وہ علم جسمیں اجرام فلکی اور گردش زمین وغیرہ کا بیان ہوتا ہے ۱۲ ۴؎ ہندسہ علم ریاضی ۱۲ ۵؎ نجوم جوتش ۱۲ ۶؎ نحو چرخ وغیرہ - ایک علم کا نام ۱۲ ۷؎ صرف خرچ ایک علم کا نام ۱۲ ۸؎ عطارد ایک ستارہ جسے منشی فلک بھی کہتے ہیں ۱۲ ۹؎ ریس - حرص ۱۲ ۱۰؎ سادہ لوحی بھولاپن - بچپن اور امردی کے زمانے سے ہے ۱۲ ۱۱؎ نوخط - سبزہ آغاز ۱۲ ۱۲؎ شیریں رقم بہترین خوشنویس ۱۳؎ خط کا ہوتا ہے ۱۲ ۱۴؎ نسخ - ریحان - خط غبار - عروس الخطوط - خط ثلث - رقاع - خط شکستہ یہ سب خطوں کے نام ہیں جن کی تفصیل خوشنویسی کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے ۱۲ ۱۵؎ چلّہ چالیس دن کی مدت - گوشہ کمان کا حلقہ جس کو چڑھا کر کمان کھینچتے ہیں ۱۲ ۱۶؎ سوفار - تیر کا وہ سوراخ یا نشان جو تیر کے گز میں جس طرف سے کمان میں رکھتے ہیں اس جانب ہوتا ہے اور اُسے چلاتے وقت چلّے میں رکھ کر کھینچتے ہیں ۱۲ - عبد الباری آسی -

رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی[1] پہ من — کیا اپنے قبضہ میں سب اُسکا فن
ہوئیں دست و بازو کی سر سائیاں[2] — اُڑائیں کئیں ہاتھ میں گھائیاں[3]
رکھا موسیقی[4] پر جو کچھ کچھ خیال — کیے قید سب اُسنے ہاتھوں میں تال[5]
طبیعت گئی کچھ جو تصویر پر — رکھے رنگ سب اُسکے مد نظر
کئی دن میں سیکھا یہ کسب تفنگ — کہ حیراں ہوئے دیکھ اہل فرنگ
سوا ان کمالوں کے کتنے کمال — مروت کی خو آدمیت کی چال
رذالوں[6] سے نفروں سے نفرت اُسے — سدا قابلوں سے تھی صحبت اُسے
گیا نام پر اپنے وہ دلپذیر — ہر اک فن میں یکتا ہوا بے نظیر

داستان سواری کی تیاری کے حکم میں

پلا ساقیا مجھ کو اک جام مُل — جوانی پہ آیا ہے ایام گل
غنیمت[7] شمر صحبت دوستاں — کہ گل پنج روزست در بوستاں
ثمرے بھلائی کا گر ہو سکے — شتابی سے بولے جو کچھ ہو سکے
کہ رنگ چمن پر نہیں اعتبار — یہاں چرخ[8] میں ہے خزان و بہار
پڑی جب گرہ بارھویں سال کی — کھلی گلجھڑی[9] غم کے جنجال کی
کہا شہ نے بلوا نقیبوں کو شام — کہ ہوں صبح حاضر سبھی خاص و عام

---

[1] لکڑی یعنی پھکیتی کا فن ۱۲ [2] سر سائی۔ سر بردار کرنا ۱۲ [3] گھائیاں اُڑانا۔ پٹے بازوں کی اصطلاح ایک قسم کی ضرب معین جو باہم مشق میں لگاتے ہیں ۱۲ [4] علم موسیقی گانے بجانے کا فن ۱۲ [5] گانے بجانے کا وزن ۱۲ [6] رذالے لوگ چھوٹے درجے کے کمینے آدمی ۱۲ [7] دوستوں کی صحبت کو غنیمت جان۔ کیونکہ پھول باغ میں بہت کم مدت تک رہتا ہے ۱۲ [8] چرخ۔ دورہ۔ گردش ۱۲ —
[9] گلجھڑی۔ گتھی ۱۲ اسی

سواری تکلف سے تیار ہو ۔ مہیا کریں جو کہ درکار ہو
کریں شہر کو مل کے آئینہ بند[1] ۔ سواری کا ہو لطف جس سے دوچند
رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر ۔ کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر
یہ فرما محل میں گیا بادشاہ ۔ نقیبوں نے سن حکم کی اپنی راہ
ہوئی شب لیا مے نے جا ہر شتاب ۔ گیا سجدۂ شکر میں آفتاب
خوشی میں کٹی جلد شب جو گذر ۔ ہوئی سامنے سے نمایاں سحر
عجب شب تھی وہ جوں سحرگاہ عید ۔ عجب روز تھا شکل روز امید
گیا مژدۂ صبح لے ماہتاب ۔ اٹھا سورج آنکھوں کو ملتا شتاب
کہا شاہ نے اپنے فرزند کو ۔ کہ بابا نہا دھو کے تیار ہو

داستان حمام میں نہانے کی لطافت میں

پلا آتشیں آب پیر مغاں ۔ کہ ہووے مجھے گرم و سرد عیاں
اگر چاہتا ہے مرے دل کو چین ۔ نہ دینا وہ ساغر جو ہو قلتین[2]
کدورت مرے دل کی دھو ساقیا ۔ ذرا شیشۂ مے کو دھو دھا کے لا
کہ سرگرم حمام ہے بے نظیر ۔ گیا ہے نہانے کو بدر منیر
ہوا جبکہ داخل وہ حمام میں ۔ عرق آ گیا اسکے اندام میں
تن نازنیں نم ہوا اس کا کل ۔ کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لنگیاں ۔ مہ و مہر سے ملاس لیکر وہاں

[1] آئینہ بندی اس طرح کی جاتی ہے کہ جا بجا ٹٹوں میں آئینے لگاتے ہیں ۱۲
[2] قلتین۔ بھاتڑا دو گھڑا ۱۲ آسی

لگیں ملنے اُس گلبدن کا بدن ہوا ڈہڈہا[1] آب سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
لبوں پہ جو پانی پڑا سربسر نظر آئے جیسے وہ گلبرگ تر
ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس کہ جوں ٹپکے جیسے نرگس پہ اوس
لگا ہونے ظاہر جو اعجاز حسن ٹپکنے لگا اُس سے انداز حسن
گیا حوض میں جو وہ بے نظیر پڑا آب میں عکس ماہ منیر
وہ گورا بدن اور بال اُسکے تر کہے تو کہ ساون کی شام و سحر
ملی سے تھا پاؤں کا عالم عجب نہ دیکھی کبھی خوبتر اس سے شب
کہوں اُسکی خوبی کی کیا تجھسے بات کہ جوں بھیگتی جائے[2] صحبت میں رات
زمیں پر تھا اک موجۂ نور خیز ہوا جب وہ فوارہ ساں آب ریز
زمرد کے لے ہاتھ میں سنگ پا[3] کیا خادموں نے جو آہنگ[4] پا
ہنسا کھلکھلا وہ گل نوبہار لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار
عجب عالم اُس نازنیں پر ہوا اٹھی گدگدی کا جبیں پہ ہوا
ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے ہوئے جی سے قرباں چھوٹے بڑے
دعائیں لگے دینے بے اختیار کہا خوش رکھے تجھکو پروردگار
کہ تیری خوشی سے ہو سب کی خوشی مبارک تجھے روز و شب کی خوشی
نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل چمکتا رہے یہ فلک کا سہیل[5]

[1] ڈہڈہا سبز رنگ کی چمک دمک ایک قسم کی خاص چمک ۱۲ [2] رات بھیگنا رات کا ابتدائی حصہ گزرنے کے بعد کچھ خنکی ہو جاتی ہے اُسی کو رات بھیگنا کہتے ہیں ۱۲ [3] سنگ پا جھانواں ۱۲ [4] آہنگ ارادہ [5] ایک ستارہ جس کے نکلنے کی خاصیت سے یمن میں چمڑا خوشبودار ہو جاتا ہے ۱۲ آسی

کیا غسل جب اس لطافت کیساتھ
اُڑھا کھیس لائے اُسے ہاتھوں ہاتھ

نہا دھوکے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

غرض شاہزادے کو نہلا دُھلا
دیا خلعت خسروانہ پنہا

جواہر سراسر پنہایا اُسے
جواہر کا دریا بنایا اُسے

کڑے کنگن اور کلغی اور نورتن
کیا ایک سے ایک زیب بدن

مرصع کا سرپیچ جوں موج آب
منور بشکل رخ آفتاب

وہ موتی کے مالے بصد زیب و زین
کہیں جسکو آرام جاں دلکا چین

جواہر کا تن پہ عجب تھا ظہور
کہ اک اک عدد واں کا تھا کوہ طور

غرض ہوکے اس طرح آراستہ
خراماں ہوا سرو نوخاستہ

نکل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار
کیے خوان گوہر کے اُس پر نثار

زبس تھا سواری کا باہر ہجوم
ہوا جبکہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار

سنہری رُپہلی تھیں عماریاں
شب و روز کی سی طرحداریاں

چمکتے ہوئے بادلے کے نشان
سوار اور نیچے غٹ اور بانوں کی شان

ہزاروں ہی اطراف میں پالکی
جھلابور کی جگمگی نالکی

کہاروں کی زربفت کی کرتیاں
اور اُنکے دبے پاؤں کی پھرتیاں

بندھیں پگڑیاں تاش کی سر اوپر
چمکتا چندھ میں جس سے آوے نظر

---

۱ کھیس ایک قسم کی موٹی چادر ۱۲ ۲ مالا۔ ہار ۱۲ ۳ عدد۔ جواہر و زیور وغیرہ کے لیے بولتے ہیں ۱۲ ۴ ڈنکا ہونا۔ نقارہ بجنا ۱۲ ۵ رُوپہلی۔ نقرئی ۱۲ ۶ غٹ۔ بھیڑ ۷ بانا۔ لباس ۱۲ ۸ جھلابور۔ جھلملا ۱۲ ۹ نالکی ایک قسم کی کھلی سواری۔ تام جھام ۱۲ ۱۰ تاش ایک قسم کا ریشمی زری کا کپڑا۔ زربفت ۱۲

وہ ہاتھوں میں سونے کے ہوئے کڑے
جھلک جسکی ہر ہر قدم پر پڑے

وہ ماہی مراتب[1] وہ سرور واں
وہ نوبت کہ دولھا کا جیسے سماں

وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما
سہانی وہ نوبت کی اس میں صدا

وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم با قدم[2] با لباس زری

بجاتے ہوئے شادیانے تمام
چلے آگے آگے سب شاد کام

سوار اور پیادہ صغیر و کبیر
جلو[3] میں تمامی امیر اور وزیر

وہ نذریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں
شہ و شاہزادے کو گذرانیاں

ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباس زری میں ملبس[4] تمام

طرق[5] کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ادھر اور ادھر کچھ ورے[6] کچھ پرے[7]

مرصع کے سازوں سے کوتل[8] سمند
کہ خوبی میں روح القدس[9] سے دوچند

وہ فیلوں کی اور میگ ڈمبر[10] کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائبان

---

[1] ماہی مراتب۔ وہ اعزازی نشان جو بادشاہوں کی سواری کے آگے لے کر چلتے ہیں ۱۲ [2] قدم با قدم یعنی قدم سے قدم ملائے ہوئے ۱۲ [3] جلو۔ ہمراہی۔ ساتھ ۱۲ [4] لباس پہنے ہوئے ۱۲ [5] طرق سے مراد یہاں یا وہ لوگ ہیں جو اہتمام سواری کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں نقیب وغیرہ یا ہجوم سے مراد ہے ۱۲ [6] ورے۔ ادھر ۱۲ [7] پرے اس طرف۔ اُدھر ۱۲ [8] کوتل وہ سجا ہوا گھوڑا جو خالی سواری کے ساتھ ساتھ محض زینت کے لیے چلتا ہے ۱۲ [9] روح القدس حضرت جبریل ۱۲ [10] میگ ڈمبر ایک قسم کا لکڑی کا مکان جس میں شاہان اودھ سفر کرتے تھے اس مکان میں قلابے لگے ہوتے تھے جو ہاتھیوں کی زنجیر دار سے بندھے ہوتے تھے یہ مکان ہاتھی لے کر چلتے تھے اور اس غرض سے کہ حرکت نہ ہو سیکڑوں کہار نیچے سے اس کو اٹھائے ہوتے تھے خیمہ کی طرح اس میں ڈنڈے لگے ہوتے تھے ۱۲ آسی

چلے پایۂ تخت کے ہو قریب ۔ بدستور شاہانہ پہنچے جریب
سواری کے آگے سے پھر اہتمام ۔ لیے سونے روپے کے عاشے تمام
نقیب اور جلو دار اور چوبدار ۔ پہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
اسی اپنے معمول و دستور سے ۔ ادب سے تفاوت سے اور دور سے
ہٹا تو جوانو بڑھے جائیو ۔ دو جانب سے بانگیں لیے آئیو
بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم ۔ بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
غرض اس طرح سے سواری چلی ۔ کہے تو کہ بازار بازی گلی
تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم ۔ کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم
لگا قلعے سے شہر کی حد تلک ۔ دوکانوں پہ تھی بادلے کی چمک
منڈھے تھے تماشی سے دیوار و در ۔ تمامی تھا وہ شہر سونے کا گھر
کیا تھا زبس شہر آئینہ بند ۔ ہوا چوک کا رستہ واں چار چند
رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ ۔ گذرتی تھی رک رک کے ہر جا نگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جب مرد و زن ۔ ہر اک سطح تھی جوں زمین چمن
یہ خالق کی شان قدرت کاملہ ۔ تماشے کو نکلی زن حاملہ
لگا شیخ سے تا ضعیف و نحیف ۔ تماشے کو نکلے وضیع و شریف
وحوش و طیور و دواب تک بے خلل ۔ پڑے آشیانوں سے اپنے نکل
نہ پہنچا جو اک مرغ قبلہ نما ۔ سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا

۱ عاشے عصا ۲ چوبدار وہ نوکر جو سونے چاندی کے خول چڑھے ہوئے عصا لیکر بادشاہوں کے آگے آگے چلتے ہیں ۳ ہٹاؤ یعنی پہلو الگ ۴ تاشی ایک ریشمی کپڑے کا نام ۵ تمامی پھر ۶ تمام گھر ۷ سبب ۸ ضعیف ادنیٰ اور نحیف لوگ ۹ وحوش وحشی کی جمع ۱۰ طیور طیر کی جمع ۱۱ دواب جمع ۱۲ مرغ قبلہ نما ایک پرندہ جو ہمیشہ قبلہ رخ رہتا ہے ۱۳ آسی

زبس شاہزادہ بہت تھا حسین ‌ ‌ ہوئے دیکھ عاشق کہین و مہین

نظر جسکو آیا وہ ماہ تمام ‌ ‌ کیا اُسنے جھک جھک کے اسکو سلام

دعا شاہ کو دی کہ بار الٰہ ‌ ‌ سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ

یہ خوش اپنے مسند رہے شہریار ‌ ‌ کہ روشن رہے شہر پروردگار

غرض شہر سے باہر اک سمت کو ‌ ‌ کوئی باغ تھا شہر کا اسمیں سے ہو

گھڑی چار تک خوب سی سیر کر ‌ ‌ رعیت کو دکھلا کے اپنا پسر

اسی کثرت فوج سے ہو سوار ‌ ‌ پھرا شہر کی طرف وہ شہریار

سواری کو پہنچا گئی فوج ادھر ‌ ‌ گئے اپنی منزل میں شمس و قمر

جہاں تک کہ تھیں خادمان محل ‌ ‌ خوشی سے وہ ڈیوڑھی تک آئیں نکل

قدم اپنے حجروں سے باہر نکال ‌ ‌ کیا سب نے آ پُوا عال حال

بلائیں لگیں لینے سب ایک بار ‌ ‌ کیا جی کو کہہ دست سب نے نثار

گیا جب محل میں وہ سرو رواں ‌ ‌ ہوا ناچ اور راگ کا واں سماں

پھر رات تک پہنے پوشاک وہ ‌ ‌ رہا ساتھ سب کے طربناک وہ

تماشا وہ شب تھی شب چاردہ ‌ ‌ پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ

نظارے سے تھا اُسکے دلکو سرور ‌ ‌ عجب عالم نور کا تھا ظہور

عجب لطف تھا سیر مہتاب کا ‌ ‌ کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا

ہوا شاہزادے کا دل بیقرار ‌ ‌ یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار

کچھ آئی جو اُسکے جی میں ترنگ ‌ ‌ کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ

تو انھوں نے جا شاہ سے عرض کی ‌ ‌ کہ شہزادے کی آج یوں ہے خوشی

[illegible]

ارادہ ہے کوٹھے پہ آرام کا | کہ بھایا ہے عالم لب بام کا[1]
کہا شہ نے اب تو گئے دن نکل | اگر یوں ہی مرضی تو کیا ہے خلل
پرستان ہو اُس سے خبردار ہوں | جنھوں کی ہو چوکی وہ بیدار ہوں
لب بام پر جب وہ سوئے صنم | کریں سورۂ نور کو اُس پہ دم
تمھارا اُدھر بول[2] بالا رہے | یہ اس گھر کا قایم اُجالا رہے
کہا تب خواصوں نے حق سے امید | یہی ہے کہ ہم بھی رہیں روسپید
پھریں حکم لے واں سے پھر شاہ کا | بچھونا وہیں جا کیا ماہ کا
قضا را وہ دن تھا اُسی سال کا | غلط وہم ماضی میں تھا حال کا
سخن مولوی[3] کا یہ سچ ہے قدیم | کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم
پڑے اپنے اپنے جو سب عیش بیچ | نہ سمجھے زمانے کی کچھ اونچ نیچ
یہ جانا کہ یونہیں رہے گا یہ دور | زمانے کا سمجھا اُنھوں نے نہ طور
کہ اس بے وفا کی ہے یہ ترنگ | یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دم نیا رنگ
گرایا دہ[4] عیش در جام ریخت | کہ صد شام بر فرق صبحش نریخت
مداری[5] عجب زیر نیرنگ دہر | کہ آرد در یک حقہ تریاک و زہر

داستان شاہزادے کے کوٹھے پر سونے کی اور پری کے اُٹھا لیجانے کی

شتابی سے اُٹھ ساقی سیمبر | کہ چاروں طرف ماہ ہے جلوہ گر

[1] مراد پہرہ ۱۲ [2] بول بالا عزت رہے عروج ۱۲ [3] مقولہ مولانا روم ہے چون قضا آید طبیب ابلہ شود ۱۲
[4] آسمان نے کس کے پیالے میں شراب عیش دی ہے کہ اس کی صبح کے سر پر سو شامیں نہیں ڈالیں یعنی پھر اس کو تکلیف نہیں پہنچائی ۱۲ [5] تو زمانے کی نیرنگی سے تعجب نہ کرنا کہ یہ ایک ہی ڈبہ میں تریاق اور زہر رکھتا ہے ۱۲ آسی

بلوریں گلابی میں مے بھر کے جام — کہ آیا بلندی پہ ماہ تمام

جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ سن — مثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن

اگر مے کے دینے میں کچھ دیر ہے — تو پھر جانیو یہ کہ اندھیر ہے

وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ — کہ سیمیں تنوں کو ہوس پر امنگ

سراسر اوچھے[1] زری باف کے — کہ تھے رشک آئینہ صاف کے

کھنچی چادر اک اس پہ شبنم[2] کی صاف — کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف

کسے اس پہ کسنے[3] وہ مقیش کے — کہ جھبوں[4] میں تھے جسکے موتی لگے

دھرے اس پہ تکیے کئی نرم نرم — کہ مخمل کو ہو جسکے دیکھے سے شرم

کہاں تک کوئی انکی خوبی کو پائے — جسے دیکھ آنکھوں کو آرام آئے

وہ گل تکیے[5] اسکے جو تھے رشک ماہ — کہ ہر وجہ تھی انکو خوبی میں راہ

کبھی نیند میں جبکہ ہوتا تھا وہ — تو رخسار رکھ اس پہ سوتا تھا وہ

چھپانے سے ہوتا نہ حسن اسکا ماند — دیئے تھے لگا اسکے مکھڑے کو چاند

ہوئی دونوں کے حسن کی ایک جوت[6] — کہ جیسے ہوں دو شمعوں کے ایک سوت

زبس نیند میں تھا جو وہ مد بھرا — بچھونے پہ آتے ہی وہ سو رہا

وہ سویا جو اس آن سے بے نظیر — رہا پاسباں اس کا بدر منیر

ہوا اسکے سونے پہ عاشق جو ماہ — لگا دی ادھر اس نے اپنی نگاہ

وہ مہ اسکے کوٹھے کا ہالہ ہوا — غرض واں کا عالم دوبالا ہوا

---

[1] اوچھے صاف سفید چادر رنگیں کے کناروں پر کام ہوتا ہے اور بچھانے کے کام آتی ہے ۱۲ [2] شبنم ایک باریک کپڑا ۱۲ [3] کسنا۔ پلنگ کسنے کی ڈوری کسنے جمع ۱۲ [4] ایک قسم کا پھندنا۔ گچھا ۱۲ [5] ایک قسم کے چھوٹے گول تکیے جو رخسار کے نیچے رکھے جاتے ہیں ۱۲ [6] جوت۔ روشنی۔ اجالا ۱۲ آسی

وہ پھولوں کی خوشبو وہ ستھرا پلنگ — جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ
چوانک کہ چوکی کے تھے باری دار[1] — ہوا جو چلی سو گئے ایک بار
غرض سب کو واں عالم خواب تھا — مگر جاگتا ایک مہتاب تھا
قضارا ہوا اک پری کا گذر — پڑی شاہزادے پہ اُسکی نظر
بھبوکا[2] سا دیکھا جو اُس کا بدن — جلا آتش عشق سے اُسکا تن
ہوئی سن پر اُسکے جی سے نثار — وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اُتار
جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں — منور ہے سارا زمیں آسماں
دوپٹے کو اُس مہ کے منہ سے اُٹھا — دیا گال سے گال اپنا ملا
اگرچہ ہوئی تھی زیادہ ہوس — ولیکن حیا نے کہا اُس کو بس
سو عشق میں پھر یہ سوجھی ترنگ — کہ لے چلیے اسکا اُٹھا کے پلنگ
محبت کی آئی جو دل میں ہوا — وہاں سے اُسے لے اُڑی دلربا
ہوا جب زمیں سے وہ شعلہ بلند — ہوا میں ستارہ سا چمکا دو چند
شب ماہ میں وہ یوں زمیں سے اُٹھا — سے شیر جس طرح سے جوش کھا
جلے رشک سے اُسکے شمع و چراغ — کہ اُس مہ کا پہنچا فلک پر دماغ
غرض لے گئی آن کی آن میں — اُڑا کر وہ اُسکو پرستان میں
کبھی دل رہے خوش کبھی دردمند — زمانے کی ہے یہ پست و بلند

داستان حالت تباہ کرنے ماں باپ کی شاہزادے کے غائب ہونے سے

شتابی سے مجھ ساقیا دے شراب — کہ یہ حال سن کر ہوا دل کباب

[1] باری دار: نمبردار پہرہ چوکی دینے والے ۱۲ [2] بھبوکا آگ کا شعلہ ۱۲ آسی۔

یہاں کا تو قصہ میں چھوڑا یہاں ۔ ذرا اب سنو غم زدوں کا بیاں
کروں حال ہجراں زدوں کا رقم ۔ کہ گزرا جدائی سے کیا ان پہ غم
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں ۔ تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رو ۔ نہ وہ گل ہے اس جا نہ وہ گل کی بو
رہے دیکھ یہ حال حیران کار ۔ کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی ۔ کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی ۔ کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دلگیر ہو ۔ گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیر زنخداں چھڑی ۔ رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی
رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب ۔ کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیے کھول سنبل سے بال ۔ طمانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
ذہن آئی کچھ ان کو اس کے سوا ۔ کہ کہیے یہ احوال اب شہ سے جا
سنی شہ نے القصہ جب یہ خبر ۔ گرا خاک پر ہو کے [illegible]
کلیجہ پکڑ ماں تو بس رہ گئی ۔ کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
ہوا گھر جو یوسف پڑی یہ جو دھوم ۔ کیا خادمان محل نے ہجوم
کہا شہ نے واں کا مجھے دو پتا ۔ عزیزو جہاں سے وہ یوسف گیا
گئیں لے کے وہ شہ کو لب بام پر ۔ دکھایا کہ سوتا تھا یہاں بے خبر
یہیں تھی جگہ وہ جہاں سے گیا ۔ کہا اے بیٹا تو یاں سے کیا
مرے تو جہاں میں کہاں جاؤں پیر ۔ نظر تو نے مجھ پیر کی سے فقیر
عجب بحر غم میں ڈبویا ہمیں ۔ غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں

تنہے

کہوں اس قیامت کا کیا میں بیاں ترقی پہ ہر دم تھا شور و فغاں

لب بام کثرت جو یکسر ہوئی تلے کی زمیں ساری اوپر ہوئی

شب آدھی وہ جس طرح سوتے کٹی رہی تھی جو باقی وہ روتے کٹی

عجب طرح کی شب تھی ہیہات وہ قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ

سحر نے کیا جیب گریباں چاک اڑانے لگی بلکہ سب سر پہ خاک

اٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل

غم و درد سے دل جو سب کا بھرا ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا

گیا جبکہ وہ سرو اس باغ سے نظر پھول آنے لگے داغ سے

اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول اڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول

صدا اب ہو کوئی انھوں کی سنے تو کو کو سے ان کی جگر تک چھنے

ہوئے خشک اور زرد سارے نہال ثمر تک کے پاؤں ہوئے پائمال

ترانے سے بلبل کا جی ہٹ گیا گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا

تبسم گیا حزن سے غنچہ بھول ہوا غم سے ازبس لہو کے پھول

اڑا نور نرگس کی آنکھوں کا سب ہوئے بال سنبل کے ماتم کی شب

لب جو پہ اڑنے لگی گرد گرد گل اشرفی کا ہوا رنگ زرد

لگی آگ لالے کے دل کو تمام دیا خاک میں پھینک عشرت کا جام

پڑا ماتم اس باغ میں بسکہ سخت ہوئے نخل ماتم[1] تمامی درخت

گئے غم سے انگور مدہوش ہو پڑے سارے سنبل سیہ پوش ہو

لگے تھے جو پتے درختوں کے ساتھ وہ مل مل کے ملتے تھے آپس میں ہاتھ

---

[1] نخل ماتم ۔ تابوت ۱۲ آسی

وہ لبریز جو نہر تھی جا بجا — سو آنکھوں کو وہ رہ گئی ڈبڈبا
اچھلتے تھے فوارے جو اسکے دل — گیا سب نکل اُنکا تاب و تواں
مژہ پر جو کچھ اشک تھے جھڑ گئے — غرض روتے روتے گڑھے پڑ گئے
ہوا حال چشموں کا یاں تک تباہ — کیا رخصت پانی نے اپنا سیاہ
کہاں وہ کنوئیں اور کہاں آبشار — کوئی دل میں روتا کوئی ڈاڑھ[1] مار
نہ بنگلوں کا عالم نہ وہ قمریے — نہ وہ آبجوئیں[2] نہ سبزے ہرے
جہاں رقص کرتے تھے طاؤس باغ — لگے بولنے واں منڈیروں پہ زاغ
سہانی وہ چھائیں جو دلچسپ تھیں — تو کیا ہو کہ اب دل لگی واں نہیں
منقش جہاں تھے وہ رنگیں مکاں — ہوئے سب وہ جوں دیدۂ خونچکاں
گلوں کی طرح کھل رہے تھے جو دل — سو وہ سب خزاں سے ہوئے منفعل
خزاں کا الم دل میں جو آ گڑا — جگر برگ گل کی طرح جھڑ پڑا
نہ غنچہ نہ گل نے گلستاں رہا — فقط دل میں اک خار ہجراں رہا
وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ — کہ ہوتی ہے اب اسکی حالت تباہ
کہا گو جدائی گوارا نہیں ہے — ولیکن خدائی سے چارا نہیں
نہیں خوب اتنا تمہیں اضطراب — نصیبوں سے شاید ملے وہ شتاب
خدا جانے اب اسمیں کیا بھید ہے — یہ کہتے ہیں منجموں کو امید ہے
خدا کی خدائی جو معمور ہے — غرض اُسکے نزدیک کیا دور ہے
نہیں ایک صورت پہ کوئی مدام — اُسی کی بغرض ذات کو ہے قیام
یہ کہہ اور شہ کو بٹھا تخت پر — بہر نوع رہنے لگے یک دگر

[1] دہاڑ مار کر رونا۔ چلا کر رونا۔ [2] آبجو۔ ندی ۱۲ عبد الباری آسی۔

لٹایا بہت باپ نے مال و زر — و لیکن نہ پائی کچھ اُس کی خبر

داستان شہزادے کو پرستان میں لیجانے کی

پچھے دے کے مَیں کھوج اُسکا پتا — ذرا خضر رہ ہو تو ہی ساقیا
نہ پائی کہیں یاں تو اُس گُل کی بو — کروں اب پرستان میں جستجو
اُڑی وہ پری واں سے لیکر اُسے — اُتارا پرستان کے اندر اُسے
وہاں ایک تھا سیر کا اُس کے باغ — کہ جسکے گلوں سے ہو تازہ دماغ
رہا چمن و گل اُسمیں انواع کے — طلسمات کل اسمیں انواع کے
طلسمات کے سارے دیوار و در — ثریا سے کوٹھے ثریا سے گھر
مطلا[1] منقش[2] مشبک[3] تمام — پہ کیا ہو جو ہو دھوپ کا اسمیں نام
کرے چھنکے واں اس لطافت سے دھوپ — کہ زردی کا جوں زعفراں پر ہو روپ
نہ آتش کا خطرہ نہ بارش کا ڈر — نہ سردی نہ گرمی کا اسمیں خطر
ہرے اور بھرے سب گلوں سے مکان — جہاں چاہیے جا کے رکھدیجے ہاں
درخشندہ ہر سقف دالان کی — ہو دیوار جیسے چراغان کی
زمیں ساری وانکی جواہر نگار — ادھر[4] میں چمن اور ہوا میں بہار
کسی کو ہو جس چیز کا اشتیاق — نظر آوے وہ چیز بالائے طاق
جواہر کے ذی روح وحش و طیور — خراماں پھریں صحن میں دور دور
پھریں دن میں سارے وہ حیوان ہو — کریں رات میں کام انسان ہو

[1] سونے کا کام ۱۲ [2] منقش نقشیں ۱۲ [3] مشبک جالی دار ۱۲ [4] ادھر معلق ٹنگا ہوا ۱۲ آسی

لگے ہر طرف گوہر شب چراغ[1]
وہی دن کو گوہر وہی شب چراغ

بنائے ہوئے جال باہم نہال
گل و غنچہ سب واں کے دور از خیال

صدا آپ سے آپ گھڑیال[2] کی
کہیں ناچ کی اور کہیں تال کی

رہے واں کے حجروں کا جو در کھلا
تو دنیا کے باجوں کی آئے صدا

دگر بند کر دیجیے ایک بار
تو جوں ارغنوں[3] راگ نکلیں ہزار

مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش
بخط سلیمانی اُن پر نقوش

طلسمات کے پردے اور چلونیں
ارادے پہ دستے کے اٹھیں اور کھلیں

خواصیں پری زاد اُس میں تمام
پھریں گرد گرد اُس پری کے مدام

سر شہر بنگلہ مرصع نگار[4]
سراپا برنگ گہر آب دار

رکھا شاہزادے کا اُس میں پلنگ
کھلا حسن سے اُسکے بنگلے کا رنگ

قضا را کھلی آنکھ اُس گل کی جو
نہ پائی وہاں شہر کی اپنے بو

نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا
تعجب سے اک اک کو تکتا رہا

اچنبھے[5] کا یہ خواب دیکھا جو واں
لگا کہنے یا رب میں آیا کہاں

زبس تھا وہ لڑکا تو سہماں[6] بھی کچھ
ہوا کچھ دلیر اور حیراں بھی کچھ

سرہانے جو دیکھی مہ چار دہ
کہ ہے اجنبی سی وہ اک رشک مہ

کہا کون ہے تو یہ کس کا ہے گھر
لے آیا مجھے کون گھر سے ادھر

---

[1] گوہر شب چراغ ایک قسم کا لعل جو شب کو روشنی دیتا ہے ۱۲ [2] گھڑیال وہ گھنٹہ جو امیروں کے دروازوں پر۔ یا مندروں وغیرہ میں بجایا جاتا ہے ۱۲ [3] ارغنوں۔ ایک باجا جس کا موجد افلاطوں تھا ۱۲ [4] مرصع نگار جس پر نقش و نگار بنائے ہوں ۱۲ [5] اچنبھا۔ تعجب ۱۲ [6] سہماں اس طریقہ سے اب استعمال نہیں کرتے۔ اور نہ یوں قافیہ کیا جاسکتا ہے ۱۲ کسی

پھرا منھ کو اور لے اودھر سے نقاب ‏ دیا اس پری نے یہ ہنسکر جواب

خدا جانے تو کون ہے کون ہوں ‏ مجھے بھی تعجب ہے میں کیا کہوں

پر اب تو تو مہمان ہے میرے گھر ‏ لے آئی ہے تجھ کو قضا و قدر

یہ گھر گو کہ میرا ہے تیرا نہیں ‏ پر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

ترے عشق نے مجھ کو شیدا کیا ‏ ترا غم مرے دل میں پیدا کیا

چھڑا کر ترا تجھ سے شہر و دیار ‏ یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار

پری ہوں میں اور یہ پرستان ہے ‏ یہاں سب یہ قوم بنی جان[1] ہے

کہاں صورت جن کہاں شکل انس[2] ‏ غرض قہر ہے صحبت غیر جنس

پری کو ہوئی شادی اس سرو کو غم ‏ پہ ناچار کیا کر سکے وہ صنم

کبھی یوں بھی ہے گردش روزگار ‏ کہ معشوق عاشق کے ہو اختیار

غرض دل کو جوں توں لگایا وہاں ‏ کہا اس نے جو کچھ کہا اسکو ہاں

ولیکن نہ عقل و نہ ہوش و حواس ‏ رہے وحشیوں کی طرح وہ اداس

کبھی اشک آنکھوں میں بھر لائے وہ ‏ کبھی سانس لیکر کہے ہائے وہ

وہ محلوں کی چہلیں وہ گھر کا سماں ‏ رہے روبرو دھیان میں ہر زماں

وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے ‏ تو راتوں کو رو رو کے دریا بہائے

کبھی اپنی تنہائی پر غم کرے ‏ کبھی اپنے اوپر دعا دم کرے

کرے یاد جب اپنے ناز و نعم ‏ فغاں زیر لب وہ کرے دمبدم

بہانے سے دن رات سویا کرے ‏ نہ ہو جب کوئی تب وہ رویا کرے

غرض مضطرب تھا وہ ہر حال میں ‏ کہ جوں مرغ تڑپے نیا جال میں

[1] مراد جنات ۱۲ [2] انس۔ انسان ۱۲ آسی

غرض اس طرح اُس پری کا تھا کام — پدر سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام

کبھی گھر میں رہتی کبھی رہتی واں — کہ تا راز اُسکا نہ ہووے عیاں

وہ پریوں میں از بسکہ تھی ذی شعور — نئی چیز لاتی تھی اُس کے حضور

عجائب غرائب پرستان کے — دکھاتی تھی ہر شب اُسے آن کے

نئے کھانے اور میوے اقسام کے — مہیا سب اسباب آرام کے

تھی کشتیاں روز پوشاک کی — خوشامد سدا جان غمناک کی

نئے سوانگ واں کے نئے رنگ ڈھنگ — کہ تا دل لگے اور نہ ہو جی بتنگ

شرابوں کے شیشے چنے طاق میں — گزک وہ کہ نکلے نہ آفاق میں

شراب و کباب و بہار و نگار — جوانی و مستی و بوس و کنار

نہ تھا اور غم کچھ تو اُس کو وہاں — بغیر از غم دوری دوستاں

اسی غم میں گھل گھل کے مرتا تھا وہ — سدا شمع ساں آہ کرتا تھا وہ

پری وہ جو تھی دل لگائے ہوئے — وہ بیٹھی تھی اُسکو اڑائے ہوئے

وہ تھی نازنیں بھی بہت عقلمند — ۱؎ نہ کھلنے سے کچھ اُسکے ہوتی تھی بند

کہا ایک دن اُسنے اے بے نظیر — مرے دام میں تو ہوا ہے اسیر

تو اک کام کر اک پہر پھر کہیں — کیا کر ٹک اک سیر روئے زمیں

تو ٹک ۲؎ ترک سے کر نہ جی کو نہ بند — نہ پہنچے کہیں تیرے جی کو گزند

سر شام جاتی ہوں میں باپ پاس — اکیلا تو رہتا ہے اس جا اُداس

یہ گھوڑا اسے دیتی ہوں کل کا تجھے — ولیکن یہ [illegible] تو [illegible] مجھے

۱؎ نہ کھلنے سے یعنی اس کے بے تکلف نہ ہونے سے ۱۲ ۲؎ ٹک ترک ... لینی

گھٹ سے ۱۲ ۳؎ مچلکا دینا کسی امر کے نہ کرنے کا تحریری عہد دینا ۱۲ نسیمی

کہ گر شہر کی طرف جائے کہیں
و یا دل کسی سے لگائے کہیں

تو پھر حال جو ہو گنہگار کا
وہی حال ہو تجھ سے دلدار کا

کہا کیونکہ میں تم کو جاؤنگا بھول
مجھے جو کہا تم نے سب ہے قبول

کہا ماہ رخ نے کہ تھے تیرے بخت
کہ بخشا تجھے میں سلیماں کا تخت

جو اُترے تو کل اسکی یوں جوڑیو
جو برعکس چاہے تو دوں موڑیو

زمیں سے لگا اور تا آسماں
جہاں چاہیو جائیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اُس اسپ کی خوبیاں
پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں

ذرا کل کو موڑے فلک پر ہوا
جو کہیے تو کہیے اُسے بادپا

نہ کھاوے نہ پیوے نہ سووے کبھی
نہ ٹاپے نہ بیمار ہووے کبھی

نہ حشری[۱] نہ کمری[۲] نہ شب کور[۳] وہ
نہ وہ کہنہ لنگ[۴] اور نہ منھ زور[۵] وہ

نہ ہو وہ نکالے موتڑے[۶] کا خلل
نہ پیشانی اوپر ستارہ[۷] ٹیکا بل

نہ ساپن[۸] نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر
ہر اک عیب سے وہ غرض بے خطر

---

۱ حشری گھوڑا۔ عیب دار گھوڑا جو اور گھوڑوں کے ساتھ مل کر نہ رہ سکے ۱۲ ۲ کمری۔ وہ گھوڑا جس کی کمر سواری اور ریاضت میں خم نہ ہو سکے ۱۲ ۳ شب کور جس کو رات کو نہ دکھائی دے۔ گھوڑے کا یہ بھی ایک عیب ہے ۱۲ ۴ کہنہ لنگ۔ گھوڑے کے لنگڑانے کا عیب ۱۲ ۵ منھ زور۔ کٹکھنا گھوڑا ۱۲ ۶ موتڑا گھوڑے کا ایک مرض۔ یہ ایک غدود ہے جو گھوڑے کے پیٹ کے نیچے نمودار ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ لنگ کرنے لگتا ہے اس مرض میں گھوڑے کے ٹخنے کی ہڈی بھی بڑھ جاتی ہے ۱۲ ۷ جس گھوڑے کی پیشانی پر سفید ٹیکا ہوتا ہے اسکو منحوس مانتے ہیں ۱۲ ۸ یہ سب علامتیں گھوڑے میں منحوس مانی گئی ہیں ۱۲

یہ گھوڑا جو اُس کل کی تھا بخش کا ۔ فلک سیر تھا نام اُس رخش کا

سر شام وہ بینظیر جہاں ۔ اُسی رخش پر ہو کے جلوہ کناں

پہر اک طرف سے گزرتا تھا وہ ۔ وہیں اک پہر سیر کرتا تھا وہ

پہر جب گجر بجتا تو پھرتا شتاب ۔ کہ پھر قہر تھا ماہ رخ کا عتاب

داستان اُترنا بینظیر کا باغ میں بدر منیر کے

کدھر ہے تو اے ساقی شوخ رنگ ۔ کہ آیا ہوں میں بیٹھے بیٹھے تنگ

پلا مجھ کو دارو کوئی تیز و تند ۔ کہ ہوتا چلا ہے مرا ذہن کند

مرے توسن طبع کو پر لگا ۔ مجھے یاں سے لے چل فلک پر اُڑا

سنو ایک دن کی یہ تم واردات ۔ اُٹھا سیر کر بینظیر ایک رات

ہوا ناگہاں اُسکا اک جا گذر ۔ سہانا سا اک باغ آیا نظر

سفید ایک دیکھی عمارت بلند ۔ کہ تھی نور میں چاندنی سے دوچند

وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جابجا ۔ وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا

وہ نکھرا فلک اور وہ مہ کا ظہور ۔ لگا شام سے صبح تک وقت نور

یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ ۔ اُترا اپنے گھوڑے سے اور سر اُٹھا

لگا جھانکنے اُس مکاں کے تئیں ۔ کہ دیکھوں تو یاں کوئی ہے یا نہیں

جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر ۔ کہ سب کچھ گیا اُسکے جی سے اُتر

کہا جی سے اب تو جو کچھ ہو سو ہو ۔ ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ لو

۱؎ بخش۔ حصہ ۱۲ ۲؎ گھوڑا ۱۲ ۳؎ پہر بجنا۔ امرا اور بادشاہوں کے یہاں ایک پہر رات گزر جانے پر گھنٹا بجتا تھا ۱۲ ۴؎ دارو ۱۲ شراب ۱۲ ۵؎ ایسی

یہ کہہ نیچے اُترا دیے پاؤں وہ | نظر سے بچاکے ہوئے چھاؤں وہ
الگ کھول ہاتھوں سے واسکے کواڑ | چلا سایہ سایہ درختوں کی آڑ
تھے اک طرف کنجان باہم درخت | کہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت
نگاہ واں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر | درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر
جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں | عجب چاندنی ہے عجب ہے سماں
عجب صورتیں اور طرفہ محل | چلا دیکھتے ہی دل اُسکا نکل
ملی جنس کی اپنے جو اُس کو بو | لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سو
نظر آئی واں چاندنی کی بہار | کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید | ہر اک طاق محراب صبح امید
مغرق زمیں پر تمامی کا فرش | جھلک جسکی سے فرش سے تا بعرش
زمیں کا طبق آسماں کا طبق | سنہرے روپہلے ہوں جیسے ورق
پلورین دھرے ہر طرف سنگ فرش | کہ جس سے منور رہے رنگ فرش
گئی اُسکے عالم پہ جس دم نگاہ | اور آئی نظر اسمیں اک رشک ماہ
طرح اسکی ہر دل کی فانوس تھی | کہ گویا وہ شیشے کی فانوس تھی
کہیں دیکھ اُسکے تئیں ہوشمند | پری کو کیا ہے گا شیشے میں بند
ہر اک سمت واں نور کا ازدحام | لگے آئنے قد آدم تمام
لپیٹے ہوئے بادلوں سے درخت | زمین و ہوا صاحب تاج و تخت

٥٥ خیرگی چکاچوند ۱۲ ٥٦ مغرق جگمگاتا ہوا۔ بآب و تاب ۱۲ ٥٧ سنگ فرش — سیر فرش وہ تراشے ہوئے پتھر جو فرش کے چاروں گوشوں پر اس لیے رکھ دیتے ہیں کہ ہوا سے نہ اُڑ سکے ۱۲ ٥٨ طرح - وضع ۱۲ آسی

لبالب[1] وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر ۔ پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
لب نہر پر صاف جو غور کی ۔ تو پٹری تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اسمیں فوارے چھٹتے ہوئے ۔ ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے
مقرض[2] پڑا اس میں مقیش[3] جو ۔ گرا ما دوال لٹک سے پڑنے ہو
لیے گو مقیش چھوٹے بڑے ۔ لہر اک جا تارے اڑا دیں کھڑے
غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ ۔ زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ
ہوائیں وہ جگنو سے چمکیں بہم ۔ لیں جلوۂ مہ کو زیر قدم
فقط چاندنی میں کہاں طور یہ ۔ کہ طرہ نہ جبتک ملے اور یہ
زمانہ زرافشاں ہوا زرفشاں ۔ زمیں سے لگا تا سما[4] زرفشاں
گل و غنچہ نسرین و تاج خروس[5] ۔ زمین چمن سب جبین عروس
خراماں زری پوش ہر ماہ وش ۔ کریں دیکھ کر ہر دم جن کو غش
کھڑا ایک نگیرۂ[6] زرنگار ۔ کہ تھے جسکی جھالر پہ موتی نثار
چڑھاؤ وہ استادے[7] الماس کے ۔ ڈھلے ایک سانچے کے اک راس[8] کے
کھنچی ڈوری اک طرف زرتار کی ۔ لڑی جوں کناری کے ہوں ہار کی
کھول کیا میں جھالر کی اسکی پھبن ۔ کہ سورج کے ہو گرد جیسے کرن

---

[1] لبالب - لبا لب بھری ہوئی۔ فارسی والوں نے بقاعدہ عربی اس کو بنالیا ہے ورنہ عرب کے لغات میں یہ لفظ نہیں ہے ۱۲ [2] مقرض - مقراض یعنی قینچی سے تراشا ہوا ۱۲ — [3] چاندی سونے کے تاروں کا بنا ہوا ایک کپڑا ۱۲ [4] سما - آسمان ۱۲ [5] تاج خروس ایک پھول کا درخت جس کو اردو فارسی میں مرغ کیس کہتے ہیں ۱۲ [6] نگیرا ایک قسم کا شامیانہ ۱۲ [7] استادے - شامیانے اور خیمہ کی چوبیں ۱۲ [8] اک راس کے یعنی ایک ناپ کے ۱۲ - آسی -

مغرق بچھی مسند اک جھگمگی[1] | کہ تھی چاندنی جسکے قدموں لگی
نہ پھولے سماتے تھے تکیے دھرے | کہ تھے وہ فقط حسن ہی سے بھرے
بلوریں صراحی وہ جام بلور | دل و دیدہ وقف تماشائے نور
زمیں نور کی آسماں نور کا | جدھر دیکھو ادھر سماں نور کا
چمن سارے داؤدیوں سے بھرے | جوانان شبّو[2] کے ہر جا پرے
ستاروں کا مہتاب میں جال یوں | کہ چوٹے میں پانی کے قطرے ہوں جوں
اگر کیجیے سایہ اوپر نگاہ | تو ہو وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ
کرے ہی نگہ جس طرف کو گذر | بجز نور آتا نہیں کچھ نظر
کروں کون سے حسن کو انتخاب | بھر اک آئینے میں وہی ماہتاب
نظر جس طرف جائے نزدیک و دور | اسی ایک مہ کا ہے ہر جا ظہور
نکل اپنی وحدت سے کثرت میں آ | وہی نور ہے جلوہ گر جا بجا
نئے رنگ سے ہر طرف ماہتاب | وہی ایک نکتہ کہ جسکی کتاب
حقیقت کی لیکن بصارت بھی ہو | کہ دیکھے نہ اُسکے سوا غیر کو

[illegible] پانی میں قطرے

داستان تعریف بدر منیر اور عاشق ہونا بینظیر کا

گلابی[3] مرے سامنے ساقیا | مہ چار دہ کو دکھا کر پلا
کہ دیکھے سے جسکے ہو دلکو سرور | نظر کام کر جائے نزدیک و دور
کروں اُس مکاں کے مکیں کا بیاں | کہ ہے بعد خاتم نگیں کا بیاں

[1] جھگمگی، چمکدار، زرق برق ۱۲ [2] شب بو۔ ایک پھول کے درخت کا نام ۱۲ [3] گلابی ایک قسم کا رنگین شیشے کا گلاس ایک قسم کی بوتل نما صراحی ۱۲ آسی

وہ مسند جو تھی موج دریائے حسن
وہاں دیکھی اک مسند آرائے حسن

برس پندرہ ایک کا سن و سال
نہایت حسین اور صاحب جمال

دیے کہنی تکیہ پہ اک ناز سے
سر نہر بیٹھی تھی انداز سے

خواصیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام

وہ بیٹھی تھی یہ دھج[۱] بنائے ہوئے
دل اس چاندنی پہ لگائے ہوئے

اُدھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ
ادھر یہ زمیں پر مہ چار دہ

پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں

نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منہ کو لگے چار چاند[۲]

عجب طرح کا حسن تھا جانفزا
کہ مہ روبرو جس کے تھا تھک رہا

کروں اسکی پوشاک کا کیا بیاں
فقط ایک پشواز[۳] آب رواں

زبس موتیوں کی تھی سنجاف[۴] سل
کہے تو وہ بیٹھی تھی موتی میں تل

اور اک اوڑھنی جوں ہوا یا حباب
جسے دیکھ شبنم[۵] کو آوے حجاب

صباحت[۶] صفا اُس میں جھلکی ہوئی
پڑی سر سے کاندھے پہ ڈھلکی ہوئی

گریباں میں اک تکمہ[۷] الماس کا
ستارہ سا مہتاب کے پاس کا

وہ کرتی وہ انگیا جواہر نگار
نیا باغ اور ابتدا کی بہار

وہ چھب تختی اور اسکی کرتی کا چاک
ترانے کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک

جھلک پائجامہ کی دامن سے یوں
کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں

---

۱ دھج۔ وضع ۱۲ ۲ چار چاند لگنا۔ زیب و زینت کا بڑھ جانا ۱۲ ۳ پشواز۔ ایک خاص لباس ۱۲
۴ سنجاف۔ گوٹ۔ حاشیہ۔ چوڑی اور آڑی گوٹ ۱۲ ۵ شبنم ایک بہت باریک ریشمی کپڑے کا نام ہے ۱۲
۶ صباحت۔ سفید رنگ۔ گورا چٹا پن ۱۲ ۷ تکمہ گریبان وغیرہ کی گھنڈی الجھانے کا حلقہ فارسی میں گھنڈی

صفائی یہ پوشاک کی دیکھیو — نظر سوچ میں ہے کہ میلی نہ ہو
وہ ترکیب اور چاند سا وہ بدن — وہ بازو پہ ڈھلکے ہوئے نورتن
جڑاؤ وہ بالے کہ ہالے کا رشک — وہ موتی کے مالے کہ عاشق کا اشک
وہ آنکھوں کی مستی وہ مژگاں کی نوک — کرنپھول کی اور بالیکی جھوک
وہ موتی کا دولڑا وہ موتی کا ہار — سدا اشک غمدیدہ جس پر نثار
لگا دھکدھکی پچلڑا ست لڑا — سراسر گلے حسن اسکے پڑا
جڑاؤ دمکتی وہ چمپا کلی — سبے جس سے الماس کو بیکلی
تلے اسکے موتی لگے گرد کل — کہ جوں شبنم آلودہ ہو برگ گل
جہانگیریوں کا کروں کیا بیاں — کہ اٹھتی تھی ہاتھوں سے جسکی فغاں
جواہر سے پہنے کی ہیکل جڑی — کمر اور کولے کے نیچے پڑی
فقط موتیوں کی پڑی پائے زیب — کہ جسکے قدم سے گھر پائے زیب
کسی کے کہاں ہاتھ وہ پاؤں آئے — جواہر جہاں پاؤں پڑکے جائے
سراپا اگر ہو زبان میرا تن — سراپا میں اسکے کروں کیا سخن
سب اعضا بدن کے موافق درست — ہر اک کام میں اپنے چالاک و چست
جہاں راستی چاہیے راستی — کجی جس جگہ چاہیے واں کجی
وہ کھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے — وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے
جو کچھ چاہیے ٹھیک نک سک سے انگ — نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ
کچھ اک تمکنت اور کچھ اک بانکپن — غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن

سلہ مراد جسم کی بناوٹ ۱۲ سلہ کان کا ایک زیور ۱۲ سلہ دولڑا۔ دولڑ کا ہار ۱۲ سلہ زیور گلے کا ۱۲ سلہ ہاتھوں کا جڑاؤ زیور ۱۲ سلہ نک سک۔ ناک نقشہ ۱۲ سلہ انگ جسم ۱۲ سلہ تمکنت۔ غرور گھمنڈ ۱۲

کرشمہ ادا غمزہ ہر آن میں ۔ غرض دلبری اُسکے فرمان میں

تغافل حیا ناز شوخی غرور ۔ ہر اک اپنے موقع پہ وقت ضرور

تبسم تکلم ترحم ستم ۔ موافق ہر اک حوصلے کے کرم

وہ ابرو کہ محراب ایوان حسن ۔ جھکی شاخ نخل گلستان حسن

نگہ آفت و چشم عین بلا ۔ مژہ دیں صفوں کو اُلٹ برملا

دُرِ گوش جیب اسکا تابندہ ہو ۔ صدف کا دل صاف شرمندہ ہو

وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر ۔ ہو انگشت قدرت کی سیدھی لکیر

وہ رخسار نازک کہ ہو جائے لال ۔ اگر اُسپہ بوسہ کا گذرے خیال

نہیں رطب و یابس کا یاں کچھ حساب ۔ بیاض گلو سب کی سب انتخاب

وہ ساعد وہ بازو وہ بھرے گول گول ۔ برابر ہو الماس کے جس کا مول

وہ دست حنابستہ خوبی کا باب ۔ شفق میں ہو جوں پنجۂ آفتاب

زبس مثل آئینہ تھا اُس کا تن ۔ کہے تو کہ تھی ناف عکس ذقن

کمر کو کہوں کیونکہ ہیں اُسکے ہیچ ۔ نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ

وہ زانو کہ آجائے گر اُس پہ ہاتھ ۔ رہے عمر بھر ہاتھ زانو کے ساتھ

وہ ساق بلوریں وہ انداز پا ۔ پھرے ہر سحر چشم و دل میں سدا

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام ۔ قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

وہ اٹکھیلیاں اور وہ اُس کی چال ۔ کہ دل جس سے عالم کا ہو پائمال

بنا کبک کیسی ہی گو چال لائے ۔ کہاں پر وہ رفتار کو اُسکی پائے

لٹک[1] چال اُس کی کوئی کیا چلے ۔ یہ انداز سب اُسکے پاؤں تلے

[1] لٹک چال مستانہ انداز سے چلنا ۱۲ عبدالباری آسی۔

عجب پشت پا صاف انگشت پا
کف پا دکھاوے سر پشت پا

مغرق جواہر سے اک جفت کفش
نہ وہ صفت پا بلکہ پا مفت کفش

یہ قدرت کا دیکھا جو اُس نے خیال
کہا شاہزادے نے یا ذوالجلال

درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
کسی کی نظر جا پڑی ناگہاں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسیں
درختوں کی ہے اوٹ میں مہ جبیں

یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا
ہر اک حال سے اُسکے ماہر ہوا

یہ سن ایک سے ایک اس سب کی سب
پھریں برگ گل کی طرح غنچہ لب

جو دیکھیں تو شعلہ سا روشن ہے کچھ
درختوں کا روشن سا آنگن ہے کچھ

کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا
کسی نے کہا چاند ہے یاں چھپا

کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن
کسی نے کہا ہے قیامت کا دن

لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح سب کا گیا اُٹھ حجاب
درختوں میں نکلا ہی یہ آفتاب

کسی نے کہا دیکھیو اے بوا
کھڑا ہے کوئی صاف یہ مرد وا

کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے
کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے

یہ آپس میں باتیں جو ہونے لگیں
اشاروں سے گھاتیں جو ہونے لگیں

گئی بات یہ شاہزادی کے گوش
یہ سنتے ہی جاتا رہا اُسکا ہوش

کہا میں تو دیکھوں یہ کہہ کر اُٹھی
گیا سنسنا جی تو رہ کر اُٹھی

خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی
دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی

کئی ہند میں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں
دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں

گئیں جب وہ کر کے دل اپنا کرخت | وہاں جس جگہ تھے وہ باہم درخت
جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین | کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ جبیں
لگیں جھانکنے سب کی سب وہ شریر | یکایک نظر واں پڑا بے نظیر
سرکنے کی واں سے نہ جا گہ نہ ٹھاؤں[1] | دیے حیرت عشق نے گاڑ پاؤں
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن | جوانی کی راتیں مرادوں کے دن
نئی پشت لب سے مسوں کی نمود | جسے دیکھ نیلا ہو چرخ کبود
گلے میں پڑا نیمہ[2] شبنم کا ایک | بدن سے عیاں نور عالم کا ایک
تمامی کی سنجاف جلوہ کناں | کہ جوں عکس مہ زیر آب رواں
طرحدار اک سر پہ چھیٹا[3] سجا | تمامی کا ٹپکا کرے سے بندھا
عجب پیچ پر پیچ بیٹھے تھے دل | کہ ہر پیچ پر پیچ کھاتا تھا دل
جواہر کا تکمہ گلے میں بندھا | ستارہ ہو جوں صبح کا جگمگا
وہ موتی کا لٹکن[4] زمرد کی ہڑ[5] | لٹک جس کی زیبندہ دستار پر
وہ گورا بدن صاف ترکیب وار | بھرے ڈنڈ[6] پر نورتن[7] کی بہار
اک الماس کی ہاتھ انگشتری | سراسر حنا دست و پا میں لگی
عیاں جیسی نہ چپاکی گات[8] سے | نمود جوانی ہر اک بات سے
بدن آئینہ سا دمکتا ہوا | گل باغ خوبی لہکتا ہوا

۱ ٹھاؤں جگہ ٹھکانا ۱۲ ۲ نیمہ ایک قسم کا اونچا جامہ ۱۲ ۳ چھیٹا۔ ایک قسم کی پگڑی ۱۲ ۴ لٹکن سے مراد یہاں زیور یا طرہ ہے ۱۲ ۵ ہڑ ایک قسم کی لمبی گٹھری جو ہڑ سے مشابہ ہوتی ہے جیسے ٹپوے گوندھتے ہیں ۱۲ ۶ ڈنڈ۔ بازو ۱۲ ۷ نورتن۔ بازو کا ایک زیور ۱۲ ۸ گات۔ وضع اسلوب۔ جسم کی خوشنمائی ۱۲

اکڑ زلف کی اور کاکل کا بل ۔۔۔ جوانی کی شب کا سماں برمحل

قیافے سے ظاہر سراپا شعور ۔۔۔ جبیں پر برستا شجاعت کا نور

وے عشق کی تیغ کھائے ہوئے ۔۔۔ کھڑا دل کسی پر لگائے ہوئے

یہ عالم جو دیکھا تو غش کر گئیں ۔۔۔ وہ جتنی کہ آئی تھیں سب مر گئیں

شتابی سے جا کر کہا انکا حال ۔۔۔ کہ اے شاہزادی صاحب جمال

عجب سیر ہے سیر مہتاب میں ۔۔۔ یہ عالم تو دیکھا نہیں خواب میں

کہے سے ہمارے نہ مانو گی تم ۔۔۔ جو دیکھو گی آنکھوں تو جانو گی تم

اٹھا پائے گلگوں کو جلد اے نگار ۔۔۔ نہ جائے کہیں ہاتھ سے یہ بہار

نہیں اور کچھ تم نہ کیجیو ہراس ۔۔۔ چلی آؤ ٹک ان درختوں کے پاس

گئی اس جگہ جب وہ بدر منیر ۔۔۔ اور اُسنے جو دیکھا شہ بےنظیر

گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل ۔۔۔ نظر سے نظر جی سے جی دل سے دل

غرض بےنظیر اور بدر منیر ۔۔۔ گرے دونوں آپس میں ہو کر اسیر

رہی کچھ نہ تن من کی سدھ بدھ اُسے ۔۔۔ نہ کچھ اپنے تن کی رہی سدھ اُسے

تھی ہمراہ اک اُسکے دخت وزیر ۔۔۔ نہایت حسیں اور قیامت شریر

ذہیں تھی ستارہ سی وہ دلربا ۔۔۔ اُسے لوگ کہتے تھے نجم النسا

شتابی سے لا اُسنے چھڑکا گلاب ۔۔۔ تب آئی تنوں میں ذرا اُنکے تاب

وہ اُٹھنے تو اُٹھی پہ حیران سی ۔۔۔ گل شبنم آلودہ گریان سی

وہ شہزادۂ دل شدہ تو ٹھٹھک ۔۔۔ وہیں رہ گیا نقش پا سا بھچک[1]

کہ وہ نازنیں کچھ جھجک منھ چھپا ۔۔۔ کمر اور چوٹی کا عالم دکھا

[1] بھچک۔ حیران ۱۲ مولانا عبدالباری آسی۔

چلی اُسکے آگے سے منھ موڑ کر / وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر
وہ گُدّی[1] وہ شانے وہ پشت کمر / وہ چوٹی کا کوے پہ آنا نظر

داستان زلف اور چوٹی کی تعریف میں

پلا ساقیا ساغر مشکبو / کہ ہے مجھ کو درپیش تعریف مو
سر شام سے دے یہانتک شراب / کہ مستی میں دیکھوں رُخ آفتاب
کروں اُسکے بالونکا کیا میں بیاں / نہ دیکھا کسی رات میں یہ سماں
وہ زلفیں کہ دل جسمیں اُلجھا رہے / اُلجھنے سے جی جنکے سُلجھا رہے
وہ کنگھی وہ چوٹی کھنچی صاف صاف / کناری کا پیچھے چمکتا مُوباف
کہوں اُسکی چوٹی کا کیا رنگ ڈھنگ / کہ جوں آخری شب ہو جھلکے کا رنگ
نمایاں تھی یوں اوڑھنی سے جھمک / کہ جوں ابر میں برق کی ہو چمک
سوباف[2] زری نے کیا ہے غضب / دیا ہے گرہ دن کو دنبال شب
سنگار وتھیں وہ سب سے گو ہو اُتار[3] / یہ کہتے ہیں چوٹی کا اُسکو سنگار
نہ ہو کیونکہ چوٹی کا تب سر پڑا / کہ اک نور ہے اسکے پیچھے پڑا
گل و سنبل اسپر سے قربان ہے / کہ اسکی لٹک میں عجب آن ہے
لڑی تھی زبس سحر سے اسکے سانٹھ[4] / شب و روز کو دے رکھا اُسنے گانٹھ
موئے ہاتھ آتا ہے اُسکا کٹھن / کہ ہے فی الحقیقت وہ کالا [illegible]
الٹ کر نہ دیکھے اُسے ہوشیار / کہ وہ اک ستارہ ہے دنبالہ دار

[1] گدی گردن کا پچھلا حصہ [2] فیتہ یا پٹی جسے عورتیں چوٹی میں گوندھتی ہیں [3] اتار۔ کم درجہ کم رتبہ [4] سانٹھ۔ سازش ۱۲ عبدالباری آسی۔

وہ پیٹھ اُسکی شفاف آئینہ ساں ۔ تس اوپر وہ چوٹی کا پڑنا وہاں
کہوں اُسکے عالم کا کیا ماجرا ۔ کہ جوں ہووے دریا پہ کالی گھٹا
بھری تھی دلوں سے زبس اُسکی مانگ ۔ بہت دل لیے اُس نے کنگھی نے مانگ
دل عاشق اُسپر سے قربان ہے ۔ کہ مشاطہ کا سر پہ احسان ہے
کشاکش میں تھا ورنہ جینا تو ہیچ ۔ بھلے کو رکھا اُسنے ڈھیلا ہی پیچ
غرض حسن کا اُسکے ہے سب یہ بھید ۔ جو چاہے کرے وہ سیاہ و سفید
کرے سرخ جو کوئی اُسمیں موباف ۔ کرے خون دل اپنا اُسکو معاف
کیا قتل گو اُس نے دل کو تو کیا ۔ شفق کا نہیں شام پر خون بہا
کہاں تک کہوں اُسکی چوٹی کی بات ۔ کہ تھوڑا ہی سوانگ اور بڑی ہے یہ رات
دیا شعر کو گرچہ میں بار طول ۔ ولیکن یہ ہو عرض میری قبول
بہت مو شگافی جو کی میں نے یاں ۔ گھٹانے کی جا گہ نہ تھی درمیاں
تس اوپر جو پوری نہ بیٹھی مثال ۔ ہوئی ہے مری فکر مجھ پر وبال
اب اس پیچ سے باہر آتا ہوں میں ۔ سماں ایک تازہ دکھاتا ہوں میں
غرض وہ پری جب دکھا اپنے بال ۔ تو گویا کہ مارا امیدوں کا جال
ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی ۔ چھپا منہ کو اور مسکراتی چلی
غضب منہ پہ ظاہر ہوے دلمیں چاہ ۔ نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ
یہ سمجھے کوئی کمبخت آیا یہاں ۔ میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
پھرتی ہوئی آنکی آن میں ۔ چھپی جا کے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب ۔ چھپا ابر تاریک میں آفتاب

ؔ مشاطہ کنگھی کرنے والی عورت مجازاً وہ عورت جو بالوں کی کنگھی کرتی ہے ۱۲ آسی

کہ اتنے میں آئی وہ دخت وزیر — لگی ہنس کے کہنے کہ بدر منیر
مجھے چوچلے[1] تو خوش آتے نہیں — ترے ناز بیجا یہ بھاتے نہیں
مری طرف ٹک دیکھ تو ہائے ہائے — مثل ہے کہ من بھائے[2] منڈیا ہلائے
کیا ہے اگر تو نے گھایل اسے — تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اسے
ٹک[3] اک حظ اٹھا زندگانی کا تو — مزا دیکھ اپنی جوانی کا تو
مے عیش کا جام اب نوش کر — غم دین و دنیا فراموش کر
یہ حسن و جوانی یہ جوش و خروش — غفورست ایزد تو ساغر بنوش
کہاں یہ جوانی کہاں یہ بہار — یہ جوبن کا عالم بھی ہے یادگار
سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں — گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
سبھی یوں تو دنیا کے ہیں کاروبار — ولے حاصل عمر ہے وصل یار
خوشا وہ زمانہ کہ دو اک جگہ — کریں یکدگر جلوۂ مہر و مہ
کہاں چاہ والے ہیں یوسف عزیز — اری باؤلی چاہ میں کر تمیز
ترے گھر میں آیا ہے مہماں غریب — یہ ہے واردات عجیب و غریب
شتابی سے مجلس کو تیار کر — تو اس گل سے گھر رشک گلزار کر
بلا ساقیانِ گل اندام کو — نگہ ساتھ گردش میں لا جام کو
شب و روز پی ملکے جامِ شراب — مہ و مہر کو رشک سے کر کباب
یہ سن سن کے وہ نازنیں مسکرا — لگی کہنے اچھا بھلا ری بھلا
میں سمجھی ترا جی گیا ہے اُدھر — بہانے تو کرتی ہے کیوں مجھ پہ دھر

[1] چوچلا - ناز نخرے کی باتیں ۱۲ [2] من بھائے منڈیا ہلائے یعنی جی چاہے اور انکار کرے ۱۲
[3] ٹک - ذرا اک ۱۲

لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہ وش — ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی تو غش
مجھی پر تو چھڑکا تھا تمنے گلاب — بھلا میری خاطر بلاؤ شتاب
یہ آپس میں رمزونکی باتیں ہوئیں — اشاروں کی باہم جو گھاتیں ہوئیں
بلا لائی جا اُس جوان کے تئیں — کیا میزبان میہمان کے تئیں
بلا آک مکاں میں بٹھایا اُسے — محل کا سماں سب دکھایا اُسے
پھر اُس نازنیں نے پکڑ اُسکا ہاتھ — بٹھایا ہی لا آخر اُس گل کے ساتھ

(در بعض نسخ: پر تو چھڑکا تھا گل کا گلاب)

داستان ملاقات کرنا بدرِ منیر کا بے نظیر سے

پلا ساقیا مجھ کو صہبائے عیش — ملی ہے نصیبوں سے یہاں جائے عیش
بہم ملکے بیٹھے ہیں دو رشک مہ — قرانِ[1] مہ و مہر ہے اس جگہ
ہر اک برج رشک گلستاں ہے آج — بہارِ وصالِ غریباں ہے آج
بزور اُسکو لا کر بٹھایا جو وہاں — نہ پوچھ اُس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے — بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منھ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے — لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینا پسینا ہوا سب بدن — کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب — رہے شرم سے پائے بند حجاب
اُنھوں کے رُکے بیٹھنے سے خفا — ہوئی دلمیں اپنے وہ نجم النسا
گلابی کو لا اُسکے آگے دھرا — پیالے کو پھر جلد اُسنے بھرا
کہا شاہزادی کو بیٹھی ہے کیا — یہ پیالہ تو اس بت کے منھ سے لگا

[1] قران نجوم کی اصطلاح میں دو سعد ستاروں کے باہم اتصال کو کہتے ہیں ۱۲ آسی

ذرا میری خاطر سے ہنس بول تو
لب لعل شیریں کو ٹک کھول تو

میں صدقے ترے تجھکو میری قسم
کئی ساغر اس کو پلا دمبدم

یہ دیکھ اسکی منت پیالہ اُٹھا
اُدھر سے پھرا منھ کو اور مسکرا

کہا بادہ نوشی سے ہو جسکو ذوق
پیے یہ پیالہ نہیں اُسکا شوق

کہا شاہزادے نے ہنسکر کے یوں
پیوں میں کسی کے نہورے[1] سے کیوں

غرض ہو کے آپسمیں راز و نیاز
پیے دو پیالے بصد امتیاز

پھر آخر کو شہزادے نے بھی اُٹھا
پیالہ بھرا اور اُس کو دیا

جب آپسمیں چلنے لگے جام مُل
مُندے غنچہ ساں دل کھلے مثل گل

ہوئی یکدگر پھر تو تفتیش حال
لگی ہونے آپسمیں قال و مقال

کھلا بند جس دم در گفتگو
جواں نے حقیقت کہی مو بمو

کہی ابتدا سے جو گذری تھی سب
جتایا سب اپنا حسب و نسب

پری کا بھی احوال ظاہر کیا
چھپے راز سے اسکو ماہر کیا

کہا اک پہر کی ہے رخصت مجھے
زیادہ نہیں اس سے فرصت مجھے

یہ سن دل ہی دل پیچ کھا پیچ و تاب
دیا شاہزادی نے اُسکو جواب

مرو تم پری پر وہ تم پہ مرے
بس اب تم ذرا مجھسے بیٹھو پرے[2]

میں اسطرح کا دل لگاتی نہیں
یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں

میں سمجھی ہوں تم کو بہت دور ہو
چلو اب کہیں یہاں سے کافور ہو

عبث تم سے کیوں دل لگاوے کوئی
بھلے چنگے دل کو جلاوے کوئی

بہے شمع ساں کیوں کوئی اشک سے
جلے کس لیے آتش رشک سے

---

[1] نہورا - منت سماجت، احسان - رائے تفضلہ سے بھی بولتے ہیں ۱۲ آسی [2] پرے - اُدھر ۱۲

یہ سن پاؤں پر گر پڑا بے نظیر
کہا کیا کروں آہ بدر منیر

کوئی لاکھ جی سے ہو مجھ پہ فدا
میں تجھ پر فدا ہوں مجھے اس سے کیا

کہا چل سر اپنا قدم پہ نہ دھر
کسی کے تجھے جی کی کیا ہے خبر

یہ رمز و کنائے جو ہونے لگے
تو آپس میں ہنس ہنس کے رونے لگے

رہی آخرش دل ہی کی دل میں بات
پہر بھر گئی اتنے عرصے میں رات

خبر رات کی سن اُٹھا بے نظیر
کہا اب میں جاتا ہوں بدر منیر

اگر قید سے چھوٹنے پاؤں گا
تو پھر آج کے وقت کل آؤں گا

یہ مت سمجھیو ہوں میں آرام میں
کروں کیا پھنسا ہوں عجب دام میں

دل[1] اس جا سے اٹھنے کو کرتا نہیں
کوئی آپ سے آپ مرتا نہیں

کرم مجھ پہ رکھیو ذرا میری جاں
میں دل چھوڑے جاتا ہوں اپنا یہاں

یہ کہہ اس طرف وہ روانہ ہوا
دل اسطرف اسکا دوانہ ہوا

گیا اپنے معمول سے بے نظیر
ادھر کا ہوا قیدی اودھر اسیر

پری ساتھ کاٹی وہ جوں توں کے رات
اٹھا صبح ملتا ہوا اپنے ہات

سماں شب کا آنکھوں میں چھایا ہوا
مزہ دل میں سارا سمایا ہوا

اٹھے جو کوئی وصل کا دیکھ خواب
نہ ہو وصل اور دل کو ہو اضطراب

بنی بات کا لطف پانا غضب
وہ پہلے پہل دل لگانا غضب

قلق دل پہ یعنی کٹے روز کب
ملے مجھ سے شمع شب افروز کب

محبت میں زلف سیہ فام کی
لگا دیکھنے راہ پھر شام کی

---

[1] دل کرنا دل چاہنا۔ قدیم محاورہ ہے نواح دہلی میں اب بھی بولتے ہیں۔ لکھنؤ میں دل کرنا ہمت وجرأت کرنا کے معنی میں بولتے ہیں ۱۲۔ آسی

وہ دن ہجر کا اور شامت ہوا / اُسے کاٹنا دن قیامت ہوا

ادھر کا تو احوال تھا اس طرح / کہا میں نے کر مختصر جس طرح

دلے اب سنو تم اُدھر کا بیاں / ہوا طرف ثانی کا کیا حال واں

وہ شب اسکو اندوہ و غم میں کٹی / گھڑی جو کٹی سو الم میں کٹی

رہی صورت آنکھوں میں جو یار کی / ہوئی یاد میں صبح رخسار کی

کچھ امید جی میں کچھ اک جی کو یاس / لبوں پر ہنسی لیک چہرہ اُداس

لگا اُسکو باتوں میں نجم النسا / لگی کہنے جی چاہتا ہے مرا

کہ تو آج کر خوب اپنا سنگار / مجھے حُسن کی اپنے دکھلا بہار

لگی کہنے چل ری دوانی نہ ہو / کہیں بات اپنی بگانی نہ ہو

کروں کس کی خاطر میں اپنا سنگار / وہ ہے کون جسکو دکھاؤں بہار

غرض شاہزادی بہت دور تھی / یہ شکل اُسکو پہلے ہی منظور تھی

نہا دھو کے اُس روز ایسی بنی / کہ دو دن کی بیچ ہو جیسے بنی[1]

وہ مکھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ / شب ماہ ہو دیکھ کر جس کو دنگ

وہ مسی وہ اُسکے لب لعل فام / سوادِ دیارِ بدخشاں کی شام

وہ آنکھوں کا عالم وہ کاجل غضب / کہے تو پڑی نرگستاں[2] میں شب

ستم تس پہ سرمے کی تحریر سی / کھنچی ہاتھ کافر کے شمشیر سی

لکھوٹا[3] وہ پانوں کا مسی کے ساتھ / کہ جوں دامن شب شفق کے ہو ہاتھ

[1] بنی۔ دُلھن ۱۲ [2] نرگستان۔ نرگس زار۔ نرگس کا جنگل۔ نرگس کا تختہ۔ نرگس کو آنکھ سے تشبیہ دینا مسلّمات سے ہے ۱۲ [3] لکھوٹا۔ پان کی وہ سرخی جو عورتیں ہونٹوں پر جماتی ہیں ۱۲۔ آسی

وہ پیشواز اک ڈانک[1] کی جگمگی ستاروں کی تھی آنکھ جس پر لگی
اور اک اوڑھنی جالی مقیش کی پڑی چاندنی سی مہ عیش کی
جو دیکھے وہ انگیا جواہر نگار فرشتے ملے ہاتھ بے اختیار
وہ باریک کُرتی مثال ہوا عیاں ہو بہو جس سے تن کی صفا
ڈلک[2] سرخ نیفے کی اُبھری ہوئی گلابی سی گرد ایک تہ دی ہوئی
جھلک پائجامے کی دامن سے یوں کہ روشن ہو فانوس میں شمع جوں
مغرق زری کا وہ شلوار بند[3] ثریا سے تابندگی میں دو چند
پڑی پاؤں میں کفش زریں نگار ستاروں[4] کی جیسے زمیں پر بہار
لگا پا سے وہ نازنیں تا بہ فرق سراپا جواہر کے دریا میں غرق
گٹھی ہوئی ترکیب اور وہ بدن وہ پوشاک و زیور کی اس پر پھبن
وہ چھب[5] تختی اُسکی نزاکت نہاد چمن زار قدرت میں نخل مراد
بھری مانگ موتی سے جلوہ کناں نمایاں شب تیرہ میں کہکشاں
وہ ماتھے پہ ٹیکے کی اُسکے جھلک سحر چاند تاروں کی جیسے چمک
ہوس ہو نہ دیکھ اُسکے زیور کو پھر کہے تو کہ ٹیکا تھا[6] سب اُسکے سر
وہ بالے کی تابندگی زیر گوش جسے دیکھ اُڑ جائیں بجلی کے ہوش

[1] ڈانک سنہرا یا روپہلا ورق جو نگینے وغیرہ کے نیچے اس لیے رکھتے ہیں کہ چمک دمک پیدا ہو اس سے معلوم ہوا کہ کپڑے کے نیچے بھی ڈانک لگاتے تھے ۱۲ [2] ڈلک چناؤ۔ اُبھار چمک دمک۔ ہلکی سی سیون ۱۲ [3] شلوار بند۔ ازار بند ۱۲ [4] ستارہ وہ گول گول سنہرے روپہلے چاند جو جوتوں وغیرہ میں لگاتے ہیں ۱۲ [5] چھب تختی جسم کی خوبصورتی، اگات جسم کی بناوٹ ۱۲ [6] ٹیکا سر ہونا بجائے سر سہرا ہونا استعمال کیا ہے ۱۲ آسی

وہ ہیرے کا تکمہ بصد آب و تاب ۔ وہ صبح گلو مطلع آفتاب
وہ تکمے پہ چنپا کلی کی پھبن ۔ کہ سورج کے آگے ہو جیسے کرن
وہ چھاتی پہ الماس کی دھکدھکی[1] ۔ رہے آنکھ سورج کی جس پہ جھکی
وہ موتی کے مالے لٹکتے ہوئے ۔ رہیں دل جہاں سر پٹکتے ہوئے
وہ الماس کی ہیکل اک خوشنما ۔ تصور رہے جس کا دل سے لگا
وہ بھجنند[2] بازو کے اور نورتن ۔ کہ جوں گل سے ہو شاخ زیب چمن
وہ پہونچی زمرد کی اور دستبند[3] ۔ نزاکت میں تھی شاخ گل سے دوچند
وہ لعلوں کی پازیب آویزہ دار ۔ سدا اشک خونی ہو جس پر نثار
وہ مینے کے پاؤں میں چھلے تھے کل ۔ کہ آنکھوں سے دل اپنے کھاتے تھے گل
وہ بالوں کی بو رشک مشک ختن ۔ وہ ڈوبا ہوا عطر میں پیرہن
زمیں سے معطر ہوا تا فلک ۔ زمانہ گیا اسکی بو سے مہک
کیا اس طرح کا جب اسنے سنگار ۔ ہوئے مہر و مہ اسکے منھ پر نثار
فلک تک گئی حسن کی اسکے دھوم ۔ لیا ہاتھ مشاطہ نے اپنا چوم
خواصوں نے گھر کو دیا انتظام ۔ تمامی کے پردے لگائے تمام
بچھا فرش اور کر چھپر کھٹ کو صاف ۔ مرصع کا اسپر اٹھا کر غلاف
وہ نرگس کے دستے جو آفاق میں ۔ نہ نکلیں سوا کر چنے طاق میں
ولایت کے میوے دھرے ہر طرف ۔ کہ لیجاوے بو انکی گل پر شرف
دھرے لخلخے[4] خاص ایوان میں ۔ ہوا ہو گئی عطر دالان میں

لہ دھکدھکی گلے کا ایک زیور ۱۲ ؎۲ بھجنند بازو کا ایک زیور ۱۲ ؎۳ دستبند کلائی کا ایک زیور
؎۴ لخلخہ مرکب خوشبوئیں جو مجموعہ کے طور پر تیار کرتے ہیں ۱۲ آسی

دھریں کشتیاں اک طرف بیشمار ‌ ‌ ‌ چنی اک طرف ڈالیوں کی قطار

اچار اور مربے دھرے خوشنما ‌ ‌ ‌ وہ باہر کے دالان میں جابجا

چھپر کھٹ کے پاس ایک مسند بچھا ‌ ‌ ‌ اور اس پر تمامی کے تکیے لگا

چنگیریں[1] بنا اور رکھ پاندان ‌ ‌ ‌ قرینے سے اسمیں رکھے ہار پان

کئی عطردان وال مرصع دھرے ‌ ‌ ‌ انوکھی گھڑت کے کئی چوگھڑے[2]

سرہانے مجلد دھری اک کتاب ‌ ‌ ‌ ظہوری نظیری کا کل انتخاب

دھری اک بیاض اور رشک چمن ‌ ‌ ‌ پر از شعر سودا و میر و حسن

قلمدان بھی اک نزاکت بھرا ‌ ‌ ‌ قرینے سے زیر چھپر کھٹ دھرا

دھرا اک طرف گنجفہ خوش قماش ‌ ‌ ‌ دھری چوپڑ[3] اک طرف کو غم تراش

بچھی ایک چوکی پڑا تورہ[4] پوش ‌ ‌ ‌ کریں دیکھ کر غش جسے بادہ نوش

صراحی و ساغر شراب و کباب ‌ ‌ ‌ دھرا اسپہ ساقی نے کر انتخاب

ولے اسکو رکھا چھپاتے ہوے ‌ ‌ ‌ کہ چھٹتے نہیں منہ لگائے ہوے

کہا خاصہ پز[5] کو خبردار کر ‌ ‌ ‌ کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر

یہ سب کچھ ہوا جب کہ آراستہ ‌ ‌ ‌ خراماں ہوئی سرو نو خاستہ

سر شام سے ہاتھ میں اک چھڑی ‌ ‌ ‌ ولیکن چھڑی وہ کہ جگنو جڑی

روش پر لگی پھرنے ایدھر ادھر ‌ ‌ ‌ کہ چھپ جائے سورج اسے دیکھ کر

[1] چنگیر- پھولوں کی ڈلیا ۱۲ [2] چوگھڑا ایک قسم کے چوگوشہ صندوقچے جس میں ڈلی الائچی وغیرہ رکھتے ہیں ۱۲ [3] چوپڑ- پچیسی ۱۲ [4] تورہ پوش- ایک قسم کا خوان پوش ۱۲ [5] خاصہ پز- شاہی باورچی ۱۲- آسی

داستان بےنظیر کے آنے کی اور باہم ملاقات کرنے کی

پلا مجھ کو ساقی شراب وصال
کہ اب ہجر سے تنگ ہے میرا حال

تڑپتا تھا اودھر جو وہ بےنظیر
ہوئی شام بارے تو چھوٹا اسیر

پر اُس نے بھی اتنا تکلف کیا
کہ اک دن میں جوڑے کو دھانی رنگا

تمامی کی سنجاف سے کر درست
بنا جلد جلد اور پہن تنگ و چست

پہن لعل و یاقوت کے نورتن
وہ گُل اسطرح ہو کے رشک چمن

فلک سیر پہ ہو شتابی سوار
ہوا آسماں پر ہُوا ایک بار

یکایک جو وارد ہوا اُس جگہ
کہ جس جا خراماں تھی وہ رشک مہ

نظر نازنیں کی جو اُس پر پڑی
ہوئی جا درختوں کے اوجھل کھڑی

کیا چھپ کے عالم پہ جو اُسکے دھیان
تو دیکھا عجب رنگ سے وہ جوان

کہ دھانی ہی جوڑا اُگلے میں پڑا
چھپا سبزے میں چاند سا ہے کھڑا

کہے تو کہ شب چاند نے آن کے
نکالا ہے منہ کھیت سے دھان کے

وہ حسن اور پوشاک اور وہ شباب
زمرد میں جوں جلوہ آفتاب

سماں دیکھ اُس شعلہ حسن کا
ہوئی اور جلنے کی اُس کو ہوا

خواصیں جو تھیں ہٹ گئیں جان کے
کہا ایک ہمراز نے آن کے

کہ اب کس طرف انکو لیجا ئیے
جہاں حکم ہو جا کے بٹھلا ئیے

کہا وہ جو آراستہ ہے مکان
ادھر سے تو دوں ہو کے لیجا وہاں

کہے کے بموجب اُٹھا کر نقاب
چھپا اُس کو لا کر بٹھا یا شتاب

لہ او جھل - اوٹ میں ہو جانا

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر | اور ادھر سے آئی جو بدر منیر
اُسے دیکھ اُسنے تو پھر غش کیا | لباس اور زیور سے غش[1] کیا
زبس حوصلے نے جو تنگی سی کی | حیا عشق نے خانہ جنگی[2] سی کی
پکڑ ہاتھ مسند پہ کھینچا اُسے | محبت کے رشتہ میں اینچا اُسے
لگی کہنے ہے ہے مرا چھوڑ ہاتھ | یہ گرمی ہے جس سے رہے اسکے ساتھ
کہا ہائے[3] پیاری جلایا مجھے | رکھائی[4] نے تیری ستایا مجھے
اری ظالم اک دم تو تو بیٹھ جا | ذرا میرے پہلو سے تکیہ لگا
تڑپتا[5] ہے کب سے پڑا میرا دل | ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مل
غرض آخرش بعد راز و نیاز | وہ مسند پہ بیٹھی بصد اتیاز
ہوا پھر تو صہبائے گلگوں کا دور | ہوئے اور ہی اور کچھ وانکے طور
ہوئے جبکہ بدمست وہ ماہرو | لگی اُنہیں ہونے عجب گفتگو
کہ دستے جو نرگس کے واں تھے ہزار | لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار
خواصیں جو تھیں روبرو ہٹ گئیں | بہانے سے ہر کام کے ہٹ گئیں
غرض رفتہ رفتہ وہ مدہوش ہو | چھپر کھٹ میں لیٹے ہم آغوش ہو
لیا کھینچ اُنھوں نے جو پردہ شتاب | چھپے ایک جا وہ مہ و آفتاب

[1] کسی چیز کی پسندیدگی سے وجد میں آنا ۱۲ [2] خانہ جنگی، گھر کی لڑائی ۱۲ [3] ایک نسخے میں یہ شعر ہے ؎ کہا شاہزادے نے اے نازنین + رکاوٹ تمھیں آتی لازم نہیں + اور دوسرا شعر نہیں ہے تیسرا شعر "تڑپتا ہے" موجود ہے ۱۲ [4] بدخلقی بے مروتی ۱۲ [5] تڑپتا ہے کب سے الخ کے بعد ایک نسخے میں یہ شعر ہے ؎ اجازت نہ دیتا تھا لیکن حجاب + کہ دیتی وہ اس بات کا کچھ جواب + اور دوسرے شعر کا پہلا مصرع یوں ہے۔ مگر آخرش الخ یہ شعر بعض نسخوں میں تقدم و تاخر ہو کر مصرع لکھا ہے ۱۲ آسی

لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ
در حسن کے کھل گئے وہ کواڑ

لگے پینے باہم شراب وصال
ہوئے نخل امید سے وہ نہال

لبوں سے ملے لب دہن سے دہن
دلوں سے ملے دل بدن سے بدن

لگی آنکھ سے آنکھ خوشحال ہو
گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو

لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ
چلے ناز و غمزے کے آپس میں ہاتھ

کسکی سرکی چولی آگے سے چل
کسکی سرکی چین ساری نکل

غم و درد دامن کشیدہ ہوئے
وہ گل نارسیدہ رسیدہ ہوئے

اٹھے پی کے باہم شراب امید
کوئی سرخرو اور کوئی روسپید

چھپر کھٹ سے باہر رکھا اپنا قدم
نکل آئے بھرتے محبت کا دم

نشہ سے وہ لذت کے بیہوش ہو
لگے بیٹھ مسند پہ خاموش ہو

کیے آنکھ نیچی ادھر نازنیں
عرق میں ادھر غرق وہ مہ جبیں

بیٹھے تھے خوش ہو کے باہم ادھر
کہ اتنے میں اودھر سے آیا پہر

پھرے وہ جب اٹھا بے نظیر
ہوئی غم کی تصویر بدر منیر

نہ بولی نہ کی بات کچھ کہا
نہ دیکھا ادھر آنکھ اپنی اٹھا

کہا مجھ سے پیاری نہ بیزار ہو
پھر آؤں گا بولی کہ مختار ہو

سخن اسکے ہوتے سے وہ نوجوان
گیا تو وہ منہ پہ آنسو رواں

ہوئے دل جو دونوں کے آپس میں بند
لگے ہجر سے دل پہ آنے گزند

پھرا پھر تو وہ دل اسکا مدام
کہ ہر روز آتا ادھر وقت شام

پہر رات تک ہنسنا اور بولنا
در حسن اور عشق کا کھولنا

کبھی ہجر سے اس کو ہوتا ملول
کبھی وصل میں بیٹھا پھول پھول

غضبناک بیٹھی تھی یہ تو ادھر
کہ اتنے میں آیا وہ رشک قمر

اسے دیکھ غصے میں وہ ڈر گیا
کہے تو کہ جیتے ہی جی مر گیا

بلا سی وہ دیکھ اسکے پیچھے پڑی
کہا سن تو اے موذی و مدعی

تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا
کہ اس مالزادی کو جوڑا دیا

الگ ہم سے یوں رہتا اور چھوٹنا
یہ اوپر ہی اوپر مزے لوٹنا

چھلکا دیا تھا نہ تو نے یہی
بھلا اسکا بدلہ نہ لوں تو سہی

پھرا جیسے راتوں کو دلشاد تو
کرے گا دنوں کو بہت یاد تو

مزہ چاہ کا دیکھ اپنی ذرا
جھنکاتی ہوں کیسے کنویں رہ بھلا

تجھے جی سے ماروں تو کیا ہے عجیب
ولے چاہتے ہیں یہ تیرے نصیب

کہ چاہ الم میں بٹھاؤں تجھے
ہنسا ہے تو جیسا رلاؤں تجھے

یہ کہہ اور بلا اک پری زاد کو
کہا سنیو اسکی نہ فریاد کو

اسے کھینچتا یاں سے لیجا شتاب
وہ صحرا جو ہے درد و محنت کا باب

کنواں اسمیں جو ہے مصیبت بھرا
کئی من کا پتھر ہے اس پر دھرا

اسے چاہ کے اس چاہ میں بند کر
وہی سنگ پھر اسکے منہ پہ تو دھر

سر شام کھانا کھلانا اسے
اور اک جام پانی پلانا اسے

نہ دیجو سوا اسکے جو کچھ کہے
یہی اسکا معمول دائم رہے

یہ سن دیو اس گل کے نزدیک آ
پکڑ ہاتھ اس کا فلک پر اڑا

گری اسپہ جو آسمانی بلا
دل اس نازنیں کا ہوا ہو چلا

ہوا یوں جو اس بخت اژدر کا اوج
چلی آہ و نالہ کی ساتھ اسکے فوج

۱ در وانہ مجازاً ۱۲ ۲ ہوا ہونا۔ مراد بیقرار ہونا۔ عیاں نا رہنا۔ غائب ہونا ۱۲ ۳ واژوں الٹا برگشتہ ۱۲

کہا دل نے یہ رتبہ جو کچھ آج ہے
یہی عشق کی جان معراج ہے

گیا بس وہ پھر جا کے اُس چاہ میں
کنواں وہ جو تھا قاف کی راہ میں

وہ یوسف کنوئیں میں ہوا جبکہ بند
ہوا اُس سے پستی کا رتبہ بلند

کھلے اس کنوئیں کے یکایک نصیب
کہ آیا وہ اُسمیں مہ دلفریب

منور وہ گھر اُسکا سارا ہوا
کنوئیں کی وہ پتلی کا تارا ہوا

وہ اندھا پڑا تھا سو روشن ہوا
جواں اُسمیں وہ سانپ کا من ہوا

دیے پاؤں جب اُسکا تہ پر گیا
کنواں اُسکے اندوہ سے بھر گیا

زمیں میں سمایا تحیر سے آب
گئے سوکھ آنسو کنوئیں کے شتاب

ہوا واں سے اوپر کسی کا نکل تپ
کنوئیں نے لیا سنگ سے منہ کو ڈھانپ

دل اُس نازنیں کا دھڑکنے لگا
جگر ٹکڑے ہو کر پھڑکنے لگا

اندھیرے اُجالے نہ نکلا تھا جو
ہوا قید اُس اندھیرے میں وہ

نکلنے کی سوجھی نہ واں اُسکو راہ
ہوا اُسکی آنکھوں میں عالم سیاہ

اندھیرے نے اُسکا کیا دم خفا
کہ جوں لے سیاہی کسی کو دبا

فغاں کی بہت اور پکارا بہت
سر اپنے کو ہر طرف مارا بہت

پکارا وہ جس تس کو فریاد کر
نہ پہونچا کوئی کان واں بھی اُدھر

نہ مونس نہ ہمدم نہ اُس جا کوئی
نہ تھا جز خدا یار اُسکا کوئی

وہی چاہ تاریک اُسکا رفیق
وہی سنگ سر پر جیسے شفیق

[illegible]
کنوئیں کی سے کون آواز [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

کنواں اسکو پوچھے وہ بوجھے اُسے — اندھیری سوا کچھ نہ سوجھے اُسے

سیاہی میں وہ جیسے کافر کا دل — کدورت میں اُس سے جہنم خجل

تہ شب کی سیاہی نہ واں ذکا نور — سدا ظلمت غم کا اُس جا ظہور

غم و درد و کلفت کو کہا چاہیے — لہو پانی اپنا کنوئیں میں سپیے

اس اندھیر کو کیا لکھوں اب میں آہ — قلم سے نکلتے ہیں آنسو سیاہ

نہ تھا وہ کنواں تھا ستون الم — نشان شب آفت و درد و غم

کروں مختصر یاں سے اب غم کی بات — لگا رہنے اسمیں وہ آب حیات

نہیں مخلصی سوجھتی اب اُسے — نکالے ذرا دیکھیے کب اسے

پھنسا اسطرح سے جو وہ بےنظیر — بڑی بیقراری میں بدر منیر

بہم دو دلوں میں جو ہوتی ہے چاہ — تو ہوتی ہے دل کے تئیں دل سے راہ

قلق واں جو گذرا تو یاں غم ہوا — رکا جی وہاں یاں خفا دم ہوا

کئی دن نہ آیا جو وہ رشک ماہ — نظر میں ہوا اسکی عالم سیاہ

لگی کہنے نجم النسا سے بوا — خدا جانے اس شخص کو کیا ہوا

کہا اُسنے بی تم کو سودا ہے کچھ — وہ معشوق ہے اسکو پروا ہے کچھ

خدا جانے کس شغل میں لگ گیا — مری جوتی سے اتنا بھی ہونا خدا

وہ رہ رہ کے تمکو دلاتا ہے چاہ — عبث آپ کو مت کرو تم تباہ

رکے جو کوئی اس سے رک جائیے — جھکے آپ سے اُس سے جھک جائیے

تنزل بھلا کچھ نکالا کرو — ذرا آپ کو تم سنبھالا کرو

سنی جب یہ بدری دلمیں کیا پیچ و تاب — دیا پھر نہ اس بات کا کچھ جواب

لہ صحبت سنی ۱۲ سلہ مخلصی۔ رہائی چھٹکارا ۱۲ سلہ تنزل۔ فال نکالنا ۱۲ آسی

۳۲۱۱۰

گئے آپسے جب دن کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی

دوانی سی ہر طرف پھرنے لگی
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی

ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب
لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب

آپ ہجر گھر دل میں کرنے لگی
دُر اشک سے چشم بھرنے لگی

خفا زندگانی سے ہونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی

تپ غم کی شدت سے پھر کانپ کانپ
اکیلی لگی رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ

نہ اگلا سا ہنسنا نہ وہ بولنا
نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا

جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اُسے
محبت میں دن رات گھٹنا اُسے

کہا گر کسی نے کہ بی بی چلو
تو اُٹھنا اُسے کہکے ہاں جی چلو

جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے
تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے

کسی نے جو کچھ بات کی بات کی
یہ دل کی جو پوچھی کہی رات کی

کہا گر کسی نے کہ کچھ کھائیے
کہا خیر بہتر ہے منگوائیے

کسی نے کہا سیر کیجے ذرا
کہا سیر سے دل ہے میرا بھرا

جو پانی پلانا تو پینا اُسے
غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے

نہ کھانے کی سدھ اور نہ پینے کا ہوش
پھرا دل میں اُسکے محبت کا جوش

چمن پہ نہ مائل نہ گل پر نظر
رہی سامنے صورت آٹھوں پہر

شگفتہ اُسی سے سوال و جواب
سدا ورد و بر دو اُسکے غم کی کتاب

جو آجائے کچھ ذکر شعر و سخن
تو پڑھنے یہ اشعار میر حسن

غزل

یہ کیا عشق آفت اُٹھانے لگا
مرے دل کو مجھ سے چھڑانے لگا

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا

کہ زانو پہ اک پاؤں کو دھر لیا
اور اک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا

نہ پوچھ اُسکے پاے نگارین کا حال
زبان حنا وصف میں جسکے لال

کنکلہ اور فندق سے لالہ کو داغ
نہ ہو ایسی کیفیت پائیں باغ

طلائی کڑے اور کنک کا وہ رنگ
سنہری شفق جسکو یہ دیکھ دنگ

جواہر کے چھلے کنارے پہ ریور
زری کی لگی جیسے مخمل پہ تورہ

زبس سوتی اُٹھی تھی وہ نازنیں
پڑی تھی عجب ڈھب سے چین جبیں

خماری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں
وہ جوبن کے عالم کی سرسائیاں

جوانی کا موسم شروع بہار
وہ سینے سے اُسکے کچھونکا ابھار

نئے ہیں وہ آکشن سے بیٹھنا
وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ اینٹھنا

خواص ایک حقہ لیے تھی کھڑی
کہ لالے کی نیچی تھی اُسمیں جڑی

وہ شیشہ کا حقہ مرصع کا کام
مغرق زری کا وہ نیچہ تمام

دہن ایک اُسپر پڑا تھا جو پیچ
یہ سب اُسکے آگے تھا گویا کہ ہیچ

لب نازک اور وہ شتال دھر
نکالے تھی پردے سے وہ دھچکر

ادھر اور اُدھر ہر طرف تھی نگاہ
کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ

خواصیں کھڑی اُسکے سب گرد پیش
جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر بہ پیش

کوئی مورچھل لے کوئی پیکدان
کوئی لے چنگیر اور کوئی پاندان

رسیلی چھبیلی نئی ٹھنک چھیت
لباس اور زیور سے ہر ایک درست

ا کنکلہ - ایڑی ۱۲ ؎ فندقہ انگوٹھا جو کچھ ہلدی کے کنارے سے پر نکلی ہو ۱۲ آسی
؎ کچ - سینہ - چھاتی ۱۲ آسی

کھڑی نیچی آنکھیں کیے باادب
اسی شرم سے پر قیامت غضب

وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھر نگاہ
اُدھر غش میں آتے تھے سب پھول گاہ

کئی ہمدم اُسکی جو تھیں ماہرو
بچھائے ہوئے کرسیاں سو بسو

برابر برابر ادھر اور اُدھر
وہ گرد اُسکے بیٹھی تھیں با کر و فر

سماں اُس گھڑی کا لکھوں کیا میں آہ
ستاروں میں آوے نظر جیسے ماہ

عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
کہ ہر گل کی تھی اُسکے منہ پر نظر

چمن اُس گھڑی پر سر جوش تھا
گل و غنچہ جو تھا سو بیہوش تھا

زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
دوبالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی

معطر ہوا اور گل کا دماغ
کہ مہکا تمام اُسکی خوشبو سے باغ

پڑا عکس اُسکا جو طرفِ چمن
ہوا لالہ گل اور گل نسترن

درختوں پر اُسکی پڑی جو جھلک
زمرد کو دی اور اُس نے چمک

ہوئی اُسکے بیٹھے سے گلشن کو زیب
گیا اڑ صبا کا بھی صبر و شکیب

چمن نے جو اُس گل کی دیکھی بہار
ہوا دیکھ اپنے گلوں کا نکھار

گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل
لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل

گئی جی سے بلبل کے گلشن کی راہ
ہوئی سرو کی شکل قمری کی آہ

ہوے واں کے آئینہ دیوار و در
وہ سب کے دل میں ہوئی جلوہ گر

کہ اتنے میں کچھ جی میں جو آگیا
ادا سے لگی کہنے وہ دلربا

اری ہے کوئی یاں ذرا جائیو
مری نقش پائی کو لے آئیو

عجب وقت تھا اور عجب تھا سماں
گرے دو گھڑی آگے تھا یہاں

لہ بیٹھ کر گیا ناچانا ۱۲ ابوالبارکی آسی

خفا ہوں مرا جی بھی مشغول ہو
کوئی دم تو داغ جگر پھول ہو

کسی طرح سے دل تو لگتا نہیں
جلے ہے جگر دل سلگتا نہیں

یہ سنتے ہی دوڑی گئی اک نگار
لیا عیش بائی کو اُسنے پکار

وہ آنے لگی کافر اس آن سے
کہ جانے لگا جی مسلمان سے

عجب چال سے وہ چلی نازنیں
کہ مستی میں پاؤں کہیں کا کہیں

وہ خلقت کی گرمی وہ زوبن[۱] پنا
نشے میں بھبھو کا سا چہرہ بنا

لٹیں منہ پہ چھوٹی ہوئیں سر بسر
کہ بدلی ہو جوں مہ کے ایدھر ادھر

وہ بن پوچھے ہونٹوں کی مسی غضب
کہ منہ پر تھی گویا قیامت کی شب

فقط کان میں ایک بالا پڑا
کہے تو کہ تھا مہ کے ہالا پڑا

وہ پشواز انگرئی[۳] وہ نرگس کا ہار
وہ کمخواب کے بند روے ازار

بندھا سر پہ جوڑا پڑی زرد شال
کمر کی لچک اور مٹک کی وہ چال

وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ چست
کناروں پہ بینا بنت[۴] کا درست

وہ اُٹھی ہوئی چین[۵] پشواز کی
وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی

وہ منہدی کا عالم وہ توڑے چھڑے
وہ پاؤں میں سونے کے دو دو کڑے

چلی واں سے دامن اُٹھاتی ہوئی
کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی

عجب ایک عالم تھا بیساختہ
کہ عالم تھا اک جس پہ دل باختہ

کئی کافرین اور بھی دل نواز
لیے ساتھ ساتھ اُسکے سب اپنا ساز

۱؎ حسین معشوق ۱۲ ۲؎ ذ دمنی بن ۱۲ ۳؎ انگرئی۔ گھر اکشمشی رنگ ۱۲ ۴؎ کپڑے کی لمبی چپٹ پر نقرئی اور طلائی تاروں کا کام۔ بینا مرصع کاری ۱۲ آسی
۵؎ چین شکن ۱۲ آسی

چلیں ایک اغماز[1] اور ناز سے — کھڑی واں ہوئیں ایک انداز سے

روش پر جو تھا فرش اُسکے حضور — ادب سے وہاں بیٹھیاں دور دور

ہوا حکم گوری[2] کا جو برملا — لیے ساز اپنے سبھوں نے اُٹھا

دیا آسماں پر جو طبلوں کو کھینچ — ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا اینچ

لگی گانے بہاگ[3] وہ اس آن سے — نکلنے لگی جان ہر تان[4] سے

عجب تال پڑتی تھی انداز سے — کہ بیکل تھی ہر تان آواز سے

وہ تھی گٹکری[5] یا لڑی نور کی — مسلسل تھی اک پھلجھڑی نور کی

گل و غنچہ کی طرح محبوب تھی — کھلی اور منڈی دل کو مرغوب تھی

غرض کیا کہوں اُسکا میں ماجرا — عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا

وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں — وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں

گھڑی چار دن باقی اُسوقت تھا — سہانا سا اک طرف سایہ ڈھلا

درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ — وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ

لپیٹے ہوئے پتوں پر تمام — روپہلے سنہرے ورق صبح و شام

وہ لالے کا عالم ہزارے کا رنگ — وہ آنکھوں کے ڈورے نشے کی ترنگ

۱؎ بظاہر غمزہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اغماز در اصل عیب کرنا چغلی کھانا ۱۲ ۲؎ گوری۔ ایک راگنی کا نام یہ رات کو دو بجے گائی جاتی ہے اور اسی وقت سوہنی بہار بھی گاتے ہیں ۱۲
۳؎ ایک راگ کا نام ۱۲ ۴؎ تان گانے کی لمبی اور بلند آواز ۱۲ آسی
۵؎ گٹکری گویوں کے گانے میں جو تغیرہ سر ہوتے ہیں اُسی کو گٹکری کہتے ہیں مُرکی بھی اسی انداز کی چیز ہے اُس کو زمزمہ اور دانا بھی کہتے ہیں۔ سُر کے جھٹکے ۱۲ ۶؎ صبح شروع کی ۱۲
۷؎ آسمان پر طبلوں کو کھینچنا۔ طبلے کا سُر چڑھانا ۱۲ آسی

گلابی سے ہو جانا دیوار و در ۔۔۔ درختوں سے آنا شفق کا نظر
وہ چادر کا چھٹنا وہ پانی کا زور ۔۔۔ ہر اک جانور کا درختوں پہ شور
وہ سرو سہی اور وہ آب رواں ۔۔۔ وہ پانی کا مستی سے بہنا وہاں
وہ اڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا ۔۔۔ کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ
وہ رقص بتاں اور وہ ستھری الاپ ۔۔۔ وہ گوری کی تانیں وہ طبلوں کی تھاپ
وہ دل بیپنا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ ۔۔۔ اچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ
نہ انساں کا ہی دل ہوا اسمیں بند ۔۔۔ ہوئے محو سنکر چرند اور پرند
غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہگئے ۔۔۔ اڑے جس جگہ تھے اڑے رہ گئے
جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے ۔۔۔ جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے
لگی دیکھنے آنکھ نرگس اٹھا ۔۔۔ گلوں نے دیئے کان اودھر لگا
لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت ۔۔۔ کھڑے رہگئے سرو ہو کر کرخت
درختوں سے گرنے لگے جانور ۔۔۔ بنے مثل آئینہ دیوار و در
ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن ۔۔۔ بھرا اشک سے بلبلوں کے چمن
ہوئے نہر سنتے سنگپائے پگھل ۔۔۔ پڑے سارے فوارے سنکے اچھل
عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر ۔۔۔ کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر
بندھا اس طرح کا جو اس جا سماں ۔۔۔ ہوا سب کے دل کا عجب حال واں
ولیکن جو کچھ دل[1] گیوں پر گیا ۔۔۔ کہ بن[2] آئی ہر اک وہاں مرگیا
لگا تھا زبس عشق کا اسکو تیر ۔۔۔ لگی کھینچنے آہ بدر منیر
بندھا اسکو عاشق کا اپنے خیال ۔۔۔ لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال

[1] دل گیوں پر۔ یعنی عاشقوں پر ۱۲ [2] بن آئی۔ بغیر موت ۱۲ آسی

کہیں کا کہیں سے اُڑا اُسکو راگ ہوا سے ہوائی اور دونی وہ آگ

لگی کہنے ہے یہ دیکھوں میں سیر نہ ہو پاس میرے وہ بادش بخیر

وہی جانے ہو جسکے کچھ دل کو لاگ کہ معشوق بن سب ہے گلزار آگ

بھلا کیونکہ جی اُسکا خوشحال ہو کہ ہجراں کا غم جسکے دنبال ہو

جگر میں اگر آہ کی سول ہو لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو

درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال جسے یاد شمشاد کی ہو کمال

کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر جسے اپنے گل کی نہ ہووے خبر

یہ کہکر اُٹھی وہاں سے وہ دلربا چھپر کھٹ پہ جا کر گری منہ چھپا

خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا

سب اُٹھتے ہی بس اُسکے جاتی رہیں طوائف کہیں اور خواصیں کہیں

مری عقل اس جا پہ حیران ہے کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے

ہر اک وقت ہے اسکا عالم جدا جو چاہے یہ پھر ہو تو امکان کیا

کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار نہیں ایک وطیرے پہ لیل و نہار

داستان بے نظیر کے غم ہجر سے بدر منیر کی بیقراری میں

پلا ساقیا ایک جام شراب کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب

شب ہجر کی پھر علامت ہوئی غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی

گری جب چھپر کھٹ پہ وہ رشک حور سہیلیوں کو کہا تم رہو دور دور

اکیلی وہ رونے لگی زار زار اسی اپنے عالم میں بے اختیار

سول کانٹا۔ درد۔ برچھی کی نوک ۱۲ آسی۔

گرے چشم سے اُسکے اتنے گہر | کہ دھویا اُسی آب سے منہ سحر
صبوحی[1] تو دے ساقی لعل فام | کہ رو رو کے ہیں رات کاٹی تمام
ہوا آفتاب الم جو طلوع | اُداسی کا ہونے لگا دن شروع
ذرا آئنہ دیکھا جو رنگ | تو جوں آئنہ رہ گئی وہ بھی دنگ
بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار | کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار[2]
فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر | لگی دل کو بہلانے ادھر اودھر
زباں پر تو باتیں وے دل اُداس | پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس
نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر | نہ سر کی خبر نے بدن کی خبر
اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں | جو کرتی ہے میلی تو محرم[3] نہیں
جو مسی ہے دو دن کی تو ہو وہی | جو کنگھی نہیں ہے تو یوں ہی سہی
جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے | غم آلودہ صبح طربناک ہے
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام | نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام
و لیکن یہ خوبوں کا دیکھا سبھاؤ[4] | کہ بگڑے سے دونا ہو اُنکا بناؤ[5]
نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی | جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی
غرض سب ادائی ہی اُن کی ادا | بھلوں کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا
جو ماتھے پہ چین جبیں غم سے ہے | تو وہ بھی ہے اک موج دریائے مے
وہ آنکھیں جو روتی ہیں بس پھوٹ پھوٹ | تو گویا کہ موتی بھرے کوٹ کوٹ
تپ غم سے یوں تمتماتے ہیں گال | کہ جوں رنگ لالہ ہو وقت زوال

---

۱ صبوحی وہ شراب جو صبح کو پی جائے ۱۲ ۲ فشار - نچوڑنا بھینچنا - دبانا ۱۲ ۳ محرم خبردار - باخبر - راز دار آگاہ ۱۲ ۴ سبھاؤ عادت طور طریقہ ۱۲ ۵ بناؤ زینت ۱۲ عبدالباری آسی -

گریباں سینے پہ ہے جو کھلا — تو گویا وہ ہے صبح عشرت فزا
نقاہت سے چہرہ اگر زرد ہے — دیا آہ ہونٹوں پہ کچھ سرد ہے
ادا سے نہیں یہ بھی عالم جدا — کہ ہے چاندنی اور ٹھنڈی ہوا

داستان بیقراری بدر منیر کی بے نظیر کے فراق میں اور نجم النساء کے تسلی دینے میں

پڑا سا قیا سا غم بے نظیر — پھنسی دام ہجراں میں بدر منیر
وہ حسن و جوانی اور ایسا یہ غم — ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم
جہاں بیٹھنا آہ کرنا اسے — بہانا شجر اک ت پہ دھرنا اسے
کبھی خوں آنکھوں سے رو ڈالنا — کسی کو کبھی دیکھ دھر ڈالنا
خواصوں کو بالا[1] بتانا اسے — اکیلے درختوں میں پھرنا اسے
وے ان درختوں میں جس میں وہ ماہ — سر شام چھپ چھپ کے کرتا نگاہ
سو یہ بھی پہر دن سے آ واں مدام — اسی چھپا نور میں بیٹھ کرتی تھی شام
گیا اس طرح جب مہینا گزر — کہ وہ ماہ مطلق نہ آیا نظر
اور اٹکا ادھر رنگ گھٹنے لگا — جگر خوں ہو مژگاں پہ بٹنے لگا
لگی رہنے تب جان بیتاب سی — لگا فرق آنے خور و خواب میں
محبت کا سودا سا ہونے لگا — جنوں تخم وحشت کا بونے لگا
سرکنے لگا پاس ناموس و ننگ — لگی عقل اور عشق میں ہونے جنگ

[1] بالا بتانا۔ فریب دینا۔ بہانا کرنا ۱۲ آسی۔

خموشی اٹھانے لگی دل میں شور — اٹھانے لگی ناتوانی بھی زور
یہ احوال دیکھا اسکا دخت وزیر — لگی جل کے کہنے کہ بدر منیر
تو وہ جو سبب تجھ سے ہے سو نہ توف[1] — کدھر دل گیا تیرا اے بیوقوف
مسافر سے کوئی بھی کرتا ہے پیت[2] — مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت[3]
اری چار دن کے ہیں یہ آشنا — بھلا دل کو آخر کرے ہیں جدا
گئے آسماں گر زمیں کے ہیں یہ — جہاں بیٹھے جا بس وہیں کے ہیں یہ
تو بھولی ہے کس بات پر اے بوا — خبر لے تو دل کی تجھے کیا ہوا
ستم جانی اپنے پہ جو کوئی سہے — تو دل میں اپنا بھی صدمے سہے
اگر آپ پر کوئی شیدا نہ ہو — تو پھر چاہیے اسکی پروا نہ ہو
وہ خوش ہوگا اپنی پری کو لیے — عبث آپ بیٹھی ہو تم جی دیے
تمہاری اسے چاہ ہوتی اگر — تو اب تک وہ تم کو نہ آتا نظر
لگی کہنے تب اس کو بدر منیر — کہ سنتی ہے اے میری دخت وزیر
کسی کی بدی تو نہ کر غیب سے — کہ اسکا خدا عالم الغیب ہے
وہ اپنے دلوں سے تو ہیں نیک ذات — ہوئی اس پہ کیا جانیے کیا واردات
ہوا قید یا آنے پایا نہ وہ — گئے اتنے دن اب تک آیا نہ وہ
عجب رات دن اسکا رہتا ہے ڈر — پری نے سنی ہو نہ یاں کی خبر
نہ باندھا ہو اسکو کسی پیڑ میں — کیا ہو نہ اس کے تئیں قید میں
پری نے کہیں طیش کھا لاف میں — دیا ہو نہ پھینک اسکو کہ قاف[4] میں

[1] وقوف دینا - ہوشیاری کی باتیں سکھانا ۱۲ [2] پیت محبت ۱۲ [3] جوگی ہوئے کسی کے میت یعنی کسکے لیے جوگی ہو ۱۲ [4] کوہ قاف - ایک پہاڑ جہاں مشہور ہے کہ پریاں اور جنات رہتے ہیں ۱۲

کسی دیو کے منھ میں ڈالا نہ ہو | پرستان سے بھی نکالا نہ ہو
بھلا اپنے جی سے وہ جیتا رہے | نہ ملنے کے دکھ اسکے سب ہیں سہے
گہر آنسوؤں کے پرونے لگی | یہ کہہ حال دل اپنا رونے لگی
چھپر کھٹ کے کونے پہ سر منھ لپیٹ | گئی منڈکری مار آخر کو لیٹ

خواب میں دیکھنا بدر منیر کا بےنظیر کو کنویں میں اور جوگن بنکر نکلنا نجم النساء کا اسکی تلاش میں

پلا ساقیا جام جم سے وہ مُل | کہ غائب کا احوال ظاہر ہو کل
کسی کے تو آ کام فرخندہ فال | کہ آخر یہ دنیا ہے خواب و خیال
ذرا آنکھ جھپکی جو اُس حال میں | تو دیکھا پھنسا اُسکو جنجال میں
قضا نے دکھایا عجب اسکو خواب | کہ دشمن نہ دیکھے یہ حال خراب
یہ دیکھا کہ صحرا ہے اک لق و دق | کہ رستم بھی جسے دیکھ ہو جائے فق
نہ انساں ہے واں نہ حیوان ہے | فقط اک کف دست میدان ہے
اور اُس بیچ میں اُسکے ہے اک کنواں | کہ اُٹھتا ہے آہوں کا واں سے دھواں
کنویں کا ہے منھ بند اُس سے اڑی | کئی لاکھ من کی ہے اک سِل پڑی
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر | ترے چاہ غم میں ہوا ہوں اسیر
میں بھولا نہیں تجھکو اے میری جان | کروں کیا کہ ہے مجھ پہ قید گراں

۱ہ ہاتھ پیر سمیٹ کر پڑ رہنا۔ اٹواٹی کھٹواٹی لے کے لیٹ جانا ۱۲ ۲ہ لق ودق۔ ویران۔ میدان جہاں درخت اور آدمی نہ ہوں ۱۲ ۳ہ کف دست میدان۔ ہموار۔ صاف ۱۲ آسی

پر اس قید میں بھی ترا دھیان ہے — فقط تیرے ملنے کا ارمان ہے
تو اپنی جو صورت دکھا دے مجھے — تو اس قید غم سے چھڑا دے مجھے
نہیں مجھکو مرنے سے کچھ اپنے ڈر — یہ غم ہے کہ تجھ کو نہ ہووے خبر
تجھے کاش اسوقت میں دیکھ لوں — جیوں میں اگر تیرے آگے مروں
ولیکن یہ ہے خام میرا خیال — نہیں وصل ممکن بغیر از وصال
کوئی دم کا مہماں ہوں آج کل — اسی چاہ میں جائیگا دم نکل
یہ سن واردات شہ بے نظیر — جو چاہے کہے بات بدر منیر
یہ ہرگز میسر نہ آئی اُسے — قضا نے نہ اُسکی سنائی اُسے
یکایک گئی آنکھ اتنے میں کھل — بھرے اشک رخسار پر آئے ڈھل
نہ وہ چاہ دیکھا نہ ہمراز وہ — پڑی گوش میں پھر نہ آواز وہ
صدا اپنے یوسف کی سن خواب سے — اُٹھی باؤلی جان بیتاب سے
کہا گو کسی سے نہ اُسنے یہ بھید — وے جوں مہ صبح چہرہ سفید
ڈھلے منھ پہ آنسو ہوا اسکہ رنج — چھٹے چاندنی میں ستاروں کے گنج[1]
وہ مہتاب سا چہرہ ہو زرد زرد — سراپا ہوا شکل اندوہ و درد
زبس آہ پنہاں سے گھٹنے لگی — تو منھ پر ہوائی[2] سی چھٹنے لگی
مژہ وہ نکیلی جو تھیں تیز سی — ہوئیں اشک خونیں سے گلریز سی
بھچنیا[3] سا قد تھا جو رشک انار — نکلنے لگے اُس سے شعلے ہزار

[1] گنج اذخیرہ، گنج چھوٹنا بہت سے پٹاخوں کا اک دم چھوٹنا ۱۲ [2] منھ پر ہوائی چھوٹنا۔ یا اُڑنا۔ چہرے کا رنگ اُڑ جانا ۱۲ [3] بھچنیا۔ ایک قسم کی چنبیا جس کو بھوئیں چنبیا بھی کہا جاتا ہے اور یہ اُسی کا مخفف ہے۔ ایک قسم کی آتشبازی ۱۲ عبد الباری آسی۔

جلیں اُس کی آہوں سے کل صورتیں ہوئیں سب وہ مٹی کی جوں مورتیں

چھپایا بہت اُسنے پر شیفتہ چھپائے سے آتش چھپے ہے کہیں

کسی سے کسیکو جو ہوتی ہے لاگ بغیر از کہے اور لگتی ہے آگ

خواصیں کئی وہ جو ہمراز تھیں بڑی خدمتوں میں سرافراز تھیں

کہا اُنسے رو رو کے احوال خواب رلایا اُنھیں پڑھ کے غم کی کتاب

سنا جبکہ نجم النسا نے یہ حال ہوئی بیقراری تب اُسکو کمال

لگی کہنے وہ یوں نہ آنسو بہا ترے واسطے میں نے اب دکھ سہا

بس اب سر بصحرا نکلتی ہوں میں اُسے ڈھونڈھ لانیکو چلتی ہوں میں

جو باقی رہا کچھ مرے[1] دم میں دم تو پھر آکے یہ دیکھتی ہوں قدم

وگر مرگئی تو بلا سے موئی تو یوں جانیو مجھ پہ صدقے ہوئی

کہا شاہزادی نے سن اے رفیق ہوئی میں تو اس چاہ غم میں غریق

بھلی چنگی اپنی نہ کھو جان تو کہ ہے وہ پری اور انسان تو

رسائی تری ہو گی کیونکر وہاں مجھے بھی نہ دے ہاتھ سے میری جاں

میں جیتی ہوں اس آسرے پر فقط کہ ہوتا ہے تجھ سے مرا غم غلط

وگرنہ میں رک رک کے مرجاؤنگی اسیطرح جی سے گذر جاؤنگی

کہا اُسنے کیا کیجیے پھر بھلا پڑی اب تو اپنے ہی سر پہ بلا

میں اس عشق کا یہ نہ سمجھی تھی ڈول[2] ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول

تجھے دیکھنا یوں گوارا نہیں اس اندوہ کا مجھ کو یارا نہیں

یہ کہہ اُسنے رو رو اُتارا سنگار کیا اپنی پشواز کو تار تار

---

[1] میرے دم میں دم ہے تو یعنی اگر میں زندہ ہوں تو ۱۲ [2] ڈول ۔ ڈھنگ ۱۲ آسی

گریبان کو مثل گل چاک کر
دیا خاک پر پھینک یدھر اُدھر

پھر آئے جو کچھ اُسکو ہوش و حواس
سجا تن پہ جوگن کا اُسنے لباس

پہن سیلی[1] اور گیروا اوڑھ کھیس
چلی بنکے صحرا کو جوگن کے بھیس

کئی سیر موتی جلا راکھ کر
بھبھوت[2] اپنے تن پر ملا سر بسر

پہن ایک لہنگا زری باف[3] کا
وہ پردہ سا کر اُس تن صاف کا

زری کے دوپٹے سے چھاتی کو باندھ
بدن کو چھپا اور کاتی[4] کو باندھ

زمرد کے مُندرے[5] لگا کان میں
کہ جوں سبزہ و گل گلستان میں

گلے بیچ ڈال اپنے بالونکے تئیں
پریشان کر اپنے بالوں کے تئیں

زری کا بنا حلقہ سر پر رکھا
کیا سنبلستان[6] کو جگمگا

لٹیں دیکے بل دوش پر چھوڑ دیں
وہ باگیں سی شبدیز[7] کی موڑ دیں

مے غم سے آنکھوں کو کر لال لال
رکھا چشم میں خون دل کو نکال

زمرد کی سمرن[8] کو ہاتھوں میں ڈال
اور اک بین کاندھے پر اپنے سنبھال

جو منکے[9] تھے من کے اسے کر درست
پہن اپنے موقع سے چالاک و چست

[1] سیلی وہ بالوں یا سیاہ ریشم کا تاگا جو گلے میں باندھتے ہیں ہندو فقیر ایسا کرتے ہیں - اور بعض وقت صرف زینت کے لیے کلائی پر باندھتے یا گلے میں ڈالتے ہیں ۱۲

[2] بھبھوت راکھ جو جوگی سنیاسی اپنے بدن پر ملتے ہیں ۱۲

[3] زری باف ایک قسم کا کپڑا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا ہوتا ہے ۱۲

[4] کاتی - چادر یا دوپٹے کو دونوں کاندھوں پر ڈال کر سینہ کو باندھنا ۱۲

[5] مُندرا - وہ حلقے جو جوگی کانوں میں پہنتے ہیں ۱۲

[6] سنبلستان سے مراد زلفیں - بال ۱۲

[7] شبدیز سیاہ رنگ کا گھوڑا

[8] سمرن ہندوانہ تسبیح ۱۲

[9] منکے - وہ مُہرے جو فقیر گلے میں پہنتے ہیں ۱۲ آسی

چلی بن کے جوگن وہ باہر کے تئیں — دکھاتی ہوئی چال ہر ہر کے تئیں

تپ سوز دل کا عیاں منہ پہ حال — اڑاتی چلی اپنی آہوں سے رال[1]

اس آئینہ رو کا کروں کیا بیاں — صفا راکھ سے اور چمکی وہاں

کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند — چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند

چھپانے کو سوانگ[2] اسنے جو جو کیے — غرض حسن نے اور جلوے دیے

وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دمک — شب تیرہ میں کہکشان فلک

زری کا وہ حلقہ سر اوپر دھرے — کہ جوں شب میں کوئی بنیٹی[3] کرے

زمانے کو بھائی جو اس کی ادا — تو اس رات پر دن کو صدقے کیا

کرے جو کہ تقویم[4] دل سے حساب — کہے سنبلہ میں گیا آفتاب

یہ برق اور یہ ابر سیہ ہے اگر — تو داماں عشاق ہوئیں گے تر

زمرد کے مندرے وہ اس آن پر — کہوں کیا کہ جیسے کھلے کان پر

وہ مندرے وہ تن اسکا خاکستری — ہوئی حسن کی اور کھیتی ہری

اڑے سبزہ و گل کے دیکھ اسکو ہوش — وہ دونوں ہوئے اسکے حلقہ بگوش

نظر کر صفائی کو اس گوش کی — زمرد کو اس گوش کی لو لگی

بڑھے کیوں نہ ہر دم زمرد کی شان — جب ایسے کسی کے لگے جا کے کان

وہ موتی کی مالا وہ مونگے کا ہار — گل نسترن کی چمن میں بہار

گلابی سے وہ نرگس شوخ رنگ — بھرے جسمیں لالے کے لالے کے رنگ

---

[1] رال اڑانا۔ آگ کے ذریعہ سے رال کو بارود کی طرح اڑانا ۱۲ [2] سوانگ۔ روپ بھرنا۔ تماشا ۱۲ [3] بنیٹی کرنا یعنی پھرانا اس کا طریقہ یہ ہے کہ بانس کے دونوں سروں پر دو گیند یا مشعلیں باندھ کر اس طرح پھراتے ہیں کہ حلقہ بندھ جاتا ہے ۱۲ [4] تقویم جنتری ۱۲ عبدالباری آسی۔

وہ قشقہ کھنچا سرخ ماتھے پہ یوں
پڑے نور پر لعل کا عکس جوں

ادا اسکی دیکھے جو عاشق بھبھو
تو رویا کرے چشم سے وہ لہو

یہ بین[۵۱] اسکے کاندھے پہ تھی خوشنما
چلے جوں کوئی مست شیشہ اٹھا

دیار محبت میں بہنگی تھی وہ
نہ تھی بین عشرت کی بہنگی[۵۲] تھی وہ

نہ تھی بین تحفے تھے رنگ کے
دیا تھے سبو بحر آہنگ کے

سو وہ بین کاندھے پہ رکھ یوں چلی
کہ لاوے کوئی جیسے گنگا جلی

یہ اک تار تھا بین کا رود نیل[۵۳]
وہ تھی ہند کے راگ کی سلسبیل

نہ عاشق ہوئے اسکے عالم پہ لوگ
دوانہ ہوا جوگ دیکھ اسکا جوگ[۵۴]

بنی جبکہ جوگن وہ اس رنگ سے
لگے پھوڑنے دوست سر سنگ سے

وہ رخصت جو اس طرح ہونے لگی
تو وہ صاحب خانہ رونے لگی

وہ رو رو کے دو ابر غم یوں ملے
کہ جس طرح ساون[۵۵] سے بھادوں ملے

یہانتک بندھا اسکے رونے کا تار
بہے پھوٹ دیوار و در ایک بار

کھڑے تھے وہ جوگن کے جو گرد کل
وہ رو رو ہوے شبنم آلودہ گل

نہ دیکھا کسی نے جو کچھ اختیار
کہا حق کو سونپا تجھے اے بہار

چلی جس طرح پیٹھ اپنی دکھا
اسی طرح دکھلا[۵۶] ہمیں منہ پھر آ

---

[۵۱] بین ایک باجا ۱۲ [۵۲] بہنگی ترازو کی طرح کی ایک چیز بنا کر کندھے پر رکھتے اور اس کے ذریعہ سے بوجھ ڈھوتے ہیں شکل بین بھی قریب قریب ایسی ہی ہوتی ہے ۱۲

[۵۳] رود نیل ایک دریا کا نام جو مصر میں واقع ہے ۱۲ [۵۴] جوگ - درویشی یعنی اس ۱۲

[۵۵] ساون بھادوں ساون کے مہینے کا ختم ہو کر بھادوں کا شروع ہونا ۱۲ آسی

[۵۶] جانے والے سے کہتے ہیں کہ جیسے پیٹھ [illegible] تم ہو اسی طرح منہ دکھانا ۱۲ آسی

کسی نے کہا بھولیو مت مجھے
خدا کے تئیں[۵۱] میں نے سونپا تجھے

کہا اُس نے خیر اب تو جاتی ہو نمیں
جو ملتا ہی تو اُسکو لاتی ہوں میں

تمھیں بھی خدا کو میں سونپا سُنا
مرا بخشیو تم کہا[۵۲] او ر سُنا

جدا ہو کے القصہ رو تو نکو چھوڑ
چلی اپنے گھر بار سے منھ کو موڑ

نہ سُدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

لیے بین پھرتی تھی صحرا نورد
تن چاک چاک اور رُخ گرد گرد

کہ شاید کوئی شخص ایسا ملے
کہ جس سے وہ شیدا کا شیدا اسے ملے

جہاں بیٹھ کر وہ سجاتی تھی بین
تو سننے کو آتے تھے آہوے چین

سجاتی نہ وہ جو کہ جہاں جوگیا[۵۳]
تو واں بیٹھتی خلق دھونی رما

اُسے سُنکے آتا تھا صحرا کو جوش
صدا سے درختوں کو آتا خروش

نکل نغمہ جو اُس سے گرتے ہزار
تو لیتا اُسے دشت دامن پسار

کہیں حلقہ حلقہ کہیں لخت لخت
کھڑے ہو کے گرد اُسکے سنتے درخت

بجاتی تھی جوں جوں وہ بن بیچ بین
خس و خار سنتے تھے تن تن کے بین

نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
ہر اک عالم شوق میں تھی کھڑی

تماشا نہ دیکھا تھا جو یہ کبھی
دد و دد[۵۴] غش میں پڑے تھے سبھی

یہانتک کہ رہ میں جو تھے نقش پا
وہ بیٹھے تھے کان اپنے اُودھر لگا

گل نغمۂ ترکی یہ تھی بہار
کہ صحرا کے گل اُسکے آگے تھے خار

---

۵۱ خدا کے تئیں اب متروک ہے ۱۲

۵۲ کہا سُنا بخشنا۔ یعنی خطا معاف کرنا ۱۲ ۵۳ جوگیا ایک راگنی کا نام ۱۲ آسی

۵۴ دَد و دد۔ درندے جانور ۱۲ آسی

سن آوازہ کی اُسکی شان و شکوہ — نکلنے لگی دب کے آواز کوہ
نہ پانی ہی سن شور اُسکا چلے — کنوئیں کے بھی دلمیں اُٹھے ولولے
نہ چشمے ہی کچھ آبدیدہ رہے — گریبان کر چاک دریا بہے
ہوا بلبل و گل کا یاں تک ہجوم — کہ گرتی تھیں وہ ڈالیاں جھوم جھوم
تجھ کیا بجا واں ہر اک کو مقام — زباں کا نکلتا تھا ہاتھوں سے کام
چمن کرتی پھرتی تھی جنگل کے تئیں — بساتی تھی جنگل میں دنگل کے تئیں
یہ ہر جا پہ تھا اُسکے دم سے طلسم — بندھا تھا اُسی دم قدم سے طلسم
شب و روز سرگشتہ مثل صبا — اسی طرح پھرتی تھی وہ جابجا

داستان فیروز شاہ جنوں کے بادشاہ کے بیٹے کا عاشق ہونا جوگن پر

کدھر ہے تو اے ساقی گلعذار — کہ صحرا سے اب دل ہوا خارخار
کوئی پھول سی دے شتابی شراب — کہ شہر مطالب کو پہونچوں شتاب
وہ دارو پلا دل کو جو راس ہو — کہ جینے کی بیمار کے آس ہو
مسبب کے اسباب دیکھو ذرا — کہ قدرت میں اسکی ہی کیا کیا بھرا
سفید و سیہ اُسکے ہے اختیار — بنایا ہی اُسنے یہ لیل و نہار
جہانیں ہی اندوہ و عشرت بہم — کہیں صبح عیش و کہیں شام غم
دورنگی زمانے کی مشہور ہے — کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے
تھارا تھا تا سا اک دشت تھا — کہ اک شب ہوا اُسکا واں بسترا

وہ تھی اتفاقاً شب چار دہ ۔ ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشکِ مہ
بچھی ہر طرف چادرِ نور تھی ۔ یہی چاندنی اس کو منظور تھی
بچھا مرگ چھالا[1] کو اور لیکے بیں ۔ دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبیں
کدارا[2] بجانے لگی شوق میں ۔ لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اسکے ہاتھ ۔ کہ مہ نے کیا دائرہ لیکے ساتھ[3]
بندھا اس طرح کا جو اس جا سماں ۔ صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر ۔ وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اُجلا سا میداں چمکتی سی ریت ۔ اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے ۔ خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور ۔ گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
دیا یہ کہ جوگن کا منھ دیکھ کر ۔ ہوا نور سایہ کا ٹکڑے جگر
گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل ۔ گئے سایۂ و نور آپس میں مل
وہ صورت خوش آئی جو اُس نور کی ۔ دل اپنے پہ سایہ نے منظور کی
ہوا بندھ[4] گئی اس گھڑی اس اصول ۔ بسیرا گئے جانور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا ۔ لگی وجد میں بولنے واہ وا
کدارے کا عالم تھا یہ اُس گھڑی ۔ کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی
یہاں تو یہ عالم تھا اور طور یہ ۔ تُس اوپر مزا تم سنو اور یہ
کہ تھا اک پریزاد فرخ سیر ۔ جنوں نے تھا وہ بادشہ کا پسر

[1] مرگ چھالا - ہرن کی کھال جسے اکثر جوگی وغیرہ بچھاتے ہیں ۱۲ [2] کدارا - ایک راگ کا نام
[3] ساتھ کرنا سنگت کرنا ۱۲ [4] ہوا بندھنا - سماں بندھنا ۱۲ آسی

نہایت طرحدار صاحب جمال — پری زادہ اکیس کا سن و سال
ہوا پر اڑاتے ہوئے اپنا تخت — اسی طرف آیا اتفاقاً وہ نیک بخت
وہ جاتا تھا کرتا ہوا سیر ماہ — اسے خلق کہتی تھی فیروز شاہ
یکایک سنی بین کی جو صدا — وہاں تخت لا اس نے اپنا رکھا
جو دیکھے تو جوگن ہے اک رشک حور — کہ چشم فلک نے نہ دیکھا یہ نور
نظر کر کے حسن اس کا غش کر گیا — تعشق کے عالم میں بس مر گیا
یہ سمجھا بناوٹ کا کچھ بھیس ہے — لگا کہنے جوگی جی آدیس[۱] ہے
پڑا تم پہ ایسا کہو کیا بجوگ[۲] — لیا واسطے کس کے تم نے یہ جوگ
کدھر سے تم آئے کہاں جاؤ گے — دیا[۳] اپنی ہم پر بھی فرماؤ گے
وہ سمجھی کہ اس کا دل آیا ادھر — کہ دل بھی تو رکھتا ہے دل کی خبر
خس و خار ہے عشق حسن آگ ہے — سدا عشق اور حسن میں لاگ ہے
ولے آگ سے اور ان میں ہوا — کہ دونوں طرف آگ دے ہو لگا
کہا ہنس کے جوگن نے ہر بول[۴] ہر — جہاں سے تو آیا چلا جا ادھر
کہا تب پری زاد نے واہ جی — بہت گرم[۵] ہیں آپ اللہ جی
نہ رکھی[ع] ہو اتنا بھلا جاؤں گا — ذرا بین سن کر چلا جاؤں گا
کہا ہوتے[۶] سوتے سے اپنے کہو — فقیروں کو چھیڑو نہ بیٹھے رہو
یہ دو دو سخن جو باہم ہوئے — اسی لطف میں یہ تو بیدم ہوئے

سلہ سلام یعنی ۱۲ سلہ مصیبت جدائی ۱۲ سلہ دیا رحم کرنا مہربانی ۱۲ سلہ ہر بول ہر ہر یعنی خدا خدا کرو ۱۲ سلہ گرم یعنی مزاج تیز طرار ۱۲ سلہ ہوتے سوتے کو کہتا عزیزوں کے حق میں بولا جاتا ۱۲
عہ نہ رکھی ہو یعنی بدخلقی نہ کرو ۱۲ آسی

گیا بیٹھ آ سامنے ریت میں — رہا کھیت یہ تو اُسی کھیت میں

نظر حسن پر گاہ گہ بین پر — سراپا دل اُس لعبت چین پر

رہا تن بدن کا نہ کچھ اُسکو ہوش — بنا کُل وہ چوں نقش پا چشم و گوش

وہ جوگن جو تھی درد و غم کی اسیر — ہوا غم میں جوگن کے یہ بھی فقیر

نہ سدھ گھر کی لی اور نہ لی راہ کی — جب آئی ذرا سُدھ تو پھر آہ کی

بجاتی رہی بین وہ صبح تک — یہ رویا کیا سامنے بیدھڑک

ادھر تان پر بین کی تھی بہار — بندھا تھا اُدھر اُسکے رونے کا تار

دھری اپنے کاندھے پہ جب اُسنے بین — اُٹھی لے کے انگڑائی زہرہ جبین

پریزاد نے تب پکڑ اُسکا ہاتھ — شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ

زمیں سے اُڑا آسماں کے تئیں — وہ گھبرا گیا کچھ [illegible] نہیں

نہ مانا اور اُسنے اُڑا یا اُسے — پرستان میں لا کر بٹھایا تو آہستہ

پھر خود گیا باپ پاس اپنے لے — کہا عرض رکھتا ہوں صاحب آپ سے

یہ جوگی جو ہیں ایک صاحب کمال — ذرا بین سنیے اور ان کے خیال

بہت آپ ان سے اُٹھائینگے حظ — بہت بین و حسن اُنکی پا یئے حظ

کہا اُس نے بابا بہت خوب ہے — ہمیشہ سے یاں آنا اپنا مرغوب ہے

کہا آؤ جوگی جی بیٹھو ادھر — کرو روشن اپنے قدم سے یہ گھر

کھلا بخت بیٹھے اور باپ کے — سروں پر ہمارے قدم آپ کے

بہت اُسنے کی تعظیم و تکریم کی — جگہ ایک پاکیزہ رہنے کو دی

[illegible]

داستان فیروز شاہ کی مجلس آرائی اور جوگن کے بلانے میں

پلا مجھ کو ساقی محبت کا جام
کہ مہمانیوں میں ہوا دن تمام

یہ جوگن جو بیٹھی برہ[۱] گن ہوئی
کہ اتنے میں رات آئی جوگن ہوئی

بھبھوت اپنے منھ پر شتابی سے مل
رکھ انڈوے[۲] کو مہ کے شب آئی نکل

دکھاتی ہوئی سوز دل دور سے
اُڑاتی ہوئی رال کو نور سے

ستاروں کے مالے گلے بیچ ڈال
وہ پہونچی پرستان میں حال حال[۳]

ہوئی شب کو وہ بزم انجم فروز
چھپا رشک سے اسکے پردے میں روز

ملک نے پرستان میں مجلس بنا
بلایا اُسے جس کی تھی یہ ثنا

پریزاد سارے ہوئے جمع واں
کہ دیکھیں تو جوگن کا چل کر سماں

وہ جوگن جو سچ مچ تھی زہرہ جبین
سو مجلس میں آئی لیے اپنی بین

بہت منتوں سے بلایا اُسے
بڑی عزتوں سے بٹھایا اُسے

کہا ہم ہیں مشتاق کچھ گائیے
سماں بین کا ہم کو دکھلائیے

کہا کچھ بجانا نہیں اپنا کام
ہر اک طرح لینا ہمیں ہر[۴] کا نام

ہے بیزار فرمائشوں سے فقیر
وے کیا کریں اب ہوئے ہیں اسیر

کہا جوگی صاحب یہ کیا بات ہے
کرم آپ کا ہم پہ دن رات ہے

جو مرضی ہو تو تم کو تکلیف دیں
نہیں جیسی مرضی ہو تم سو کریں

کہا اس طرح سے جو فرماؤ گے
تو ہاں بندگی ہی میں کچھ پاؤ گے

۱ فرقت زدہ ۱۲ ۲ انڈوا۔ گول حلقہ جو جوگی سر پر رکھتے ہیں ۱۲ ۳ حال حال
جلد جلد ۱۲ ۴ خدا ۱۲ [illegible]

یہ کہہ اُس نے اور بین کاندھے پہ دھر ۔ یہاں تک بجائی کہ دیوار و در

کھڑے رہ گئے ہوش کھوئے ہوئے ۔ نظر جو پڑے واں سو مردے ہوئے

گیا اہل مجلس کا جو دل بچل ۔ تو جوں شمع اشک آئے سب کے نکل

ہوئیں بین پر انگلیاں یوں رواں ۔ کہ ہاتھوں سے اُسکے ہوا دل رواں

رواں و دواں کر دیا جان کو ۔ رلایا ہر اک جن و انسان کو

ہوا حال پر اُسکا یہ کچھ تباہ ۔ وہ عاشق جو تھا اُسپہ فیروز شاہ

کبھی سامنے آکے کرتا نظر ۔ کبھی دیکھتا چھپ کے ادھر اودھر

ستوں کے کبھی اوٹ میں ہو کے وہ ۔ کھڑا دیکھتا اُسکو رو رو کے وہ

کبھی ادھر اودھر سے پھر پھر کے آ ۔ پیچھے اُسکے کھڑے کی لیتا بلا

وہ گو کچھ تھی سنتی نہ کہتی اُسے ۔ انکھیوں سے پر دیکھ رہتی اُسے

نظر اُسکی جب آن پڑتی اُدھر ۔ تو یہ اور کی طرف کرتی نظر

اس آن و ادا پہ وہ فیروز شاہ ۔ دل و جان سے کرتا تھا سو بار آہ

اگر کوئی چوٹ کی کرتا [illegible] ۔ تو کہتا [illegible] کہ چپ تم کو کیا

غرض [illegible] یہ صحبت کہیں کیا کہوں ۔ [illegible] دل تھا اُسکا [illegible] کروں

بجی پہلی صحبت میں وہ ایسی بین ۔ کہ غش کر گئے سب جو تھے نکتہ چین

سراپا [illegible] کے باپ نے ۔ کہا کی دیا جوگی جی آپ نے

اسی طرح ہر شب کرم کیجیے ۔ [illegible] کیجیے

مقدم ہمارا رکھا نا کرو ۔ ہمیں اپنا مشتاق جانا کرو

یہ گھر بار ہے آپ کا ہی تمام ۔ ہوئے آج سے ہم تمھارے غلام

سلہ ادا متوجہ کرنا ۔ لبھانا ۱۲ آسی

تکلف کو موقوف کر دیجیے — جو کچھ تم کو درکار ہو لیجیے
کہا اسنے مطلب نہیں کچھ ہمیں — تمہارا مبارک رہے گھر تمہیں
کہاں تم کہاں ہم ہوا یہ جو ساتھ — یہ تھی بات سب آب و دانہ کے ہاتھ
یہ کہہ واں سے اُٹھی وہ جوگن اُدھر — دیا تھا جہاں اُسکے رہنے کو گھر
لگی رہنے اُسمیں شب و روز وہ — سمجھ جی میں کچھ کچھ دل افروز وہ
کہا اپنے جی سے کہ سنتا ہے جی — نہ گھبرائیو اپنے دل میں کبھی
ببینیم[ـه] تا کردگار جہاں — دریں آشکارا چہ دارد نہاں
غرض اس طرح اُسکا معمول تھا — کہ اُس شاہ پریوں کی خدمت میں جا
پہر رات تک ہنستی اور بولتی — ہر اک بات میں قند تھی گھولتی
بجا بین سب کو رجھاتی تھی وہ — پہر کے بجے گھر میں آتی تھی وہ
وے کیا کہوں حال فیروز شاہ — کہ تھی دن بدن اُسکی حالت تباہ
نہ دنیا کی اُسکو نہ دیں کی خبر — اُسی کے تصور میں شام و سحر
اُسی شمع کے گرد پھرنا اُسے — پتنگے کے مانند گرنا اُسے
بہانے سے ہر کام کے روز و شب — وہیں کاٹنی اُسکو اوقات سب
اسی طرح اوقات کھونا اُسے — صدا بین سن سن کے رونا اُسے
وہ جوگن بھی سو سو طرح کر ادا — ہر اک تان میں اُسکو لیتی لبھا
وے کچھ بھی پاتی جو حسن طلب — تو عاشق پہ غصہ وہ کرتی غضب
کبھی خوش کیا اور کیا آ اُداس — کبھی دور بیٹھی کبھی اُسکے پاس
کیا اُسنے پردے میں جب کچھ سوال — دوانہ کیا اُسکو باتوں میں ڈال

ـه دیکھوں کہ جہان کا مالک اس پردہ میں کیا بات چھپائے ہوئے ہے ۱۲ آسی

کبھی تنکھی نظروں سے گھائل کیا — کبھی میٹھی باتوں سے مائل کیا
کبھی ٹیڑھی بانوں سے مارا اُسے — کبھی سیدھے دل سے پکارا اُسے
کبھی ہنس کے دکھلا کے خوش کیا — کبھی ہو کے غمگیں ناخوش کیا
کبھی منہ چھپایا دکھایا کبھی — کبھی مار ڈالا جلایا کبھی
لٹوں میں کبھی دل کو لٹکا دیا — کبھی ساتھ بالوں کے سٹکا[1] دیا
وہ ہرچند آنکھیں دکھاتی رہی — پہ نظروں میں دل کو لبھاتی رہی
بچارا پریزاد وہ سادہ دل — ادائیں یہ انساں کی مستقل
اسی طرح مدت گئی جب اُسے — چڑھی گرمی عشق کی تب اُسے
نہ منہ پر وہ عالم رہا اور نہ نور — کئی دن[2] میں دل ہو گیا چور چور
جگر خوں ہو آنکھوں سے آیا اُبل — گیا دل سب اندر ہی اندر پگھل
یہ دی پردہ دل سے جی نے صدا — کہ بے صبری اپنے اب انتہا
جو کہنا ہے اُس سے تو کہہ حال دل — کہ اب تنگ ہے اپنا احوال دل
سنبھلنا ہے اب بھی تو ظالم سنبھل — نہیں کوئی دم میں چلا میں نکل
ملا کر تو اب دست افسوس کو — پڑا رہ لیے ننگ و ناموس کو
یہ سُن جی کا پیغام مجبور ہو — کہا اپنے نزدیک گو دور ہو
بلا سے اگر آن[3] رہتی نہیں — کہ اب بن کہے جان رہتی نہیں
غرض ایک دن بات یہ ٹھان کر — لگا گھات[4] پر اپنی وہ آن کر
نہ تھا اُس گھڑی کوئی ادھر اُدھر — اکیلی پڑی اُسکو جوگن نظر

۱؎ سٹکنا۔ بھاگ جانا۔ سٹکانا متعدی ۱۲ ۲؎ مراد تھوڑی سی مدت ۱۲ ۳؎ آن بمعنی آبرو۔ عہد۔ وضع ۱۲ ۴؎ گھات۔ داؤ۔ موقع ۱۲ آکے

اکیلی اُسے دیکھ ہو بے قرار — گرا پاؤں پر اُسکے بے اختیار

گرا اس طرح سے قدم پر جو وہ — تو کہنے لگی مسکرا اُسکو وہ

کہ ہے آج یہ کیا خلاف قیاس — گرا اتنا تو ہو کے کیوں بے حواس

کسی نے ترا دل ستایا کہیں — دیا جی کو تیرے دُکھا یا کہیں

مرے بیٹھنے سے اذیت ہوئی — کہ مہمانیوں کی مصیبت ہوئی

فقیروں سے اتنا نہ ہو تو خفا — چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا

اذیت اگر ہم سے پاتا ہے تو — کہ اب پاؤں پڑ پڑ اُٹھاتا ہے تو

لگا کہنے رو رو کے فیروز شاہ — کہ بس بس یہی تو کہو گی نہ واہ

تمھاری سمجھ نے تو مارا ہمیں — یہ باتیں نہیں اب گوارا ہمیں

ستائے ہوئے کو ستاتی ہو کیا — جلے دل کو ناحق جلاتی ہو کیا

ہوئیں تم نہ واقف مرے حال سے — فدا میں رہا جان اور مال سے

تم اپنا سا مجھ کو سمجھتے رہے — بھلا تم کو اب یاں کوئی کیا کہے

تم ایسی ہی بے رحم و بے درد ہو — غرض اپنے عالم میں تم فرد ہو

کہا اُسنے بے کہہ شتاب اپنا حال — کہ تو کیوں گرا سر کو پاؤں میں ڈال

کہا تب پریزاد نے میری جان — کہاں تک کروں راز دل کا نہاں

بھلا ہجر میں کب تلک ہوں ملول — غلامی میں اپنی مجھے کر قبول

لگی ہنس کے کہنے کہ اک طور سے — جو میری کہانی سنے غور سے

مطالب اگر میرے بر لائے تو — تو شاید مراد اپنی بھی پائے تو

کہا اُسنے پھر جلد فرمائیے — جو کچھ آپ سے ہو بجا لائیے

کہا اُسنے یہ ہے مری داستاں — کہ شہر سراندیپ ہے اک مکاں

ملک ایک واں کا ہے مسعود شاہ کہ بیٹی ہے ایک اسکی مانند ماہ

جہاں میں ہے بدرِ منیر اسکا نام میں رہتی تھی خدمت میں اسکی مدام

بنایا تھا اُسنے الگ ایک باغ کہ فردوس کا تھا وہ چشم و چراغ

جدا باپ سے تھی وہ اُس جا مقیم سدا سیر کرتی تھی بے خوف و بیم

میں نجم النسا اسکی دخترِ وزیر ہمیشہ سے ہمراز تھی اور مشیر

جدا ایک دم اُس سے ہوتی نہ تھی سُلائے بغیر اُسکے سوتی نہ تھی

خوشی سے سرو کار غم سے فراغ برنگِ چمن رہتی تھی باغ باغ

کسی طرح کا غم نہ تھا دھیان میں ترقی خوشی کی تھی ہر آن میں

ہوئی ایک دن یہ عجب واردات کہ اک شخص وارد ہوا ایک رات

کہاں تک کہوں اُسکا قصہ ہے دور نہ تھا آدمی نور کا تھا ظہور

گیا اُسپہ اُس شاہزادی کا دل گئے کچھ دنوں میں وہ آپسمیں مل

وہ عاشق اُسپر تھی کوئی پری محبت میں تھی اسکی وہ بھی بھری

کہیں واں کے آنے کی سنکر خبر خدا جانے پھینکا ہے اس کو کدھر

دیا قید میں اُس کو ڈالا کہیں کہ مدت سے اسکی خبر کچھ نہیں

سو میں کھوج میں اُسکے جوگن ہوئی یہانتک تو پہونچی برہ گن ہوئی

پھر اب آپس میں تم ایک ہو اگر تم ذرا کھوج اس کا کرو

تو شاید مدد سے تمہاری ملے تو پھر آرزو بھی ہماری ملے

دل آباد ہو جی کو آرام ہو تمہارا بھی اس کام میں کام ہو

کہا تب پریزاد نے ہاتھ لا انگوٹھا دکھایا کہ اترا نہ جا

۱ برہ گن فراق زدہ ۱۲ ۲ ٹھینگا دکھانا۔ بے ادائی جتانا۔ چڑھانا ۱۲ منہ

کہا پھر یہی کچھ نہیں مہ جبیں
لگی ہنس کے کہنے نہیں رے نہیں

یہ سن قوم کو اپنی اُس نے بلا
تقید سے سب کو بلا کر کہا

کہ جاؤ تو ڈھونڈھو کرو مت کمی
کہ ہی اک گلستان میں قید آدمی

جو تم میں سے لا دیگا اُسکی خبر
جو اہر کے دونگا لگا اُسکے پر

یہ سن اپنے سردار کا سب کلام
تجسس میں پھرنے لگے صبح و شام

ہوا ایک کا ناگہاں واں گذر
جہاں قید میں تھا وہ خستہ جگر

وہ روتا جو تھا نالۂ و آہ سے
تو کچھ اُسکو آئی صدا چاہ سے

کہا کچھ تو ملتا ہی یاں سے سراغ
کہ آتی ہی یاں بوے گلزار داغ

وہ چوکی کے جو دیو تھے جابجا
لگا پوچھنے کس کی ہے یہ صدا

کہا ماہرخ کا ہے قیدی یہاں
کنویں میں تڑپتا ہی اک نوجواں

وہ تحقیق کر اور لے واں کا بھید
اُڑا شہر کو اپنے دیو سفید

کیا جا کے فیروز شہ کو سلام
سن آیا جو کچھ تھا سنایا کلام

کہا میرا مجرا[1] ہے اب لائیے
جو دینا کہا ہے سو دلوائیے

جو معمول تھا واں کے انعام کا
جواہر کے اُسکو دیے پر لگا

داستان پیغام بھیجنے میں فیروز شاہ کے ماہرخ کو

یہ بھیجا پھر اس ماہرخ کو پیام
کہ کیوں زیست کرتی ہی اپنی حرام

بنی آدموں کو تو چوری سے لا
بٹھاتی ہے گھر میں تعشق جتا

ترے باپ کو گر لکھوں تیرا حال
تو کیا حال ہو تیرا ایھرا ے چھنال

[1] مجرا۔ ادب سے سلام کرنا ۱۲ آسی

عزیز اپنی رکھتی نہیں جان کو　　نہیں ہے کہ پھونکوں پرستان کو
ترا رنگ غیرت سے اُڑتا نہیں　　تجھے کیا پریزاد جُڑتا نہیں
ہمارا گئی بھول خوف و خطر　　لگی رکھنے انسان پر تو نظر
بھلا چاہتی ہے تو اُس کو نکال　　کنوئیں میں جسے تو نے رکھا ہے ڈال
اور اس کی قسم کھا کہ پھر گر کہیں　　لیا نام اُس کا تو پھر تو نہیں
گیا ماہرخ کو یہ فرمان جب　　ہوئی خوف سے وہ پریشان تب
کہا مجھ سے تقصیر اب تو ہوئی　　کہو اُسکو لے جائے یاں سے کوئی
اگر اب میں لاگو ہوں اُسکی کبھی　　تو پھر پھونک دیجیو مجھے تم تبھی
پر اتنا یہ احسان مجھ پر کرو　　کہ اس کا پرستاں میں چرچا نہ ہو
مرے باپ کو تا نہ ہووے خبر　　کہ پھر میں نہ ادھر کی ہوں نے اُدھر
یہ سنکر جواب اُسکا فیروز شاہ　　چلا اپنے گھر سے جہاں تھا وہ چاہ
سر چاہ پر جب وہ پہونچا شفیق　　کہا اُنکو تھے وہ جو اُسکے رفیق
کہ یہ سنگ اُکھڑے یہاں سے نکلے　　کسی طرح چھاتی سے پتھر ٹلے
کھڑے تھے جو وے دیو واں جوں پہاڑ　　انھوں نے دیا اپنے سینے کو گاڑ
وہ پتھر جو تھا کوہ سا سنگ راہ[1]　　دیا پھینک واں سے اُسے مثل کاہ
وہ بادل سا سرکا جو اُس چاہ سے　　تو اک نور چمکا شب ماہ سے
اندھیرے سے اس چاہ کے اسکا تن　　نظر یوں پڑا جیسے کالے کا من
وہ من ڈالے اسمیں پڑا تھا جواں　　کہا اُس پریزاد نے سب کو ہاں
نکالو امانت ابھی اس نمط　　کہ لیتے ہیں بو مشک سے جس نمط

---

[1] سنگ راہ۔ وہ چیز جس سے آمد و رفت میں رکاوٹ ہو ۱۲ آسی

تمھیں احتیاط اسکی اب ہے ضرور — سمجھیو اسے اپنی پتلی کا نور

داستان کنویں سے نکلنے میں بینظیر کے

قدح بھر کے لا ساقی با تمیز — کنویں سے نکلتا ہے یوسف عزیز
گئے دن خزاں کے اور آئی بہار — ہے لالہ گُل سے دکھا لالہ زار
گلابی چھلکتی پلا دے مجھے — سماں کوئی ایسا دکھا دے مجھے
کہ وہ ماہ نخشب[1] کنویں سے نکل — منازل کو اپنے پھرے بر محل
کوئی دیو تھا واں سکندر نژاد — کنویں میں اُتر کر بحسب مراد
الگ یوں لے آیا کنویں سے نکال — کہ فوارہ جوں آب کو دے اُچھال
لے آیا وہ جوں خضر سوگھات سے — نکال آب حیواں کو ظلمات سے
ہوئی مست اس نازبو سے وہ کل — کہ نکلا وہ سنبل سے مانند گُل
اندھیرے سے نکلا وہ روشن بیاں — کہ حرفوں سے جوں ہووے معنی عیاں
وہ جیتا تو نکلا ولے اس طرح — کہ بیمار ہو نزع میں جس طرح
زمیں اوپر آنے کا تھا اسکو غم — کہے تو کہ بھرتا تھا اوپر[2] کا دم
جمی خاک تن پہ برنگ زمیں — گڑا جیسے نکلے ہے پُتلا کہیں

---

[1] ماہ نخشب۔ نخشب ماورا النہر کے ایک شہر کا نام جو شہر سبز کے نام سے مشہور رہی۔ یہاں ایک حکیم ابن عطا نے جو ابن مقنع کے نام سے مشہور ہے۔ پارہ وغیرہ سے ایک چاند بنایا تھا۔ اور وہ چاند مدت دو ماہ تک ہر رات کو کنویں سے نکلتا تھا۔ یہ کنواں پائین کوہ سیام میں واقع تھا۔ اس چاند کی چار فرسنگ تک روشنی ہوتی تھی یہ کنواں جس سے چاند نکلتا تھا نخشب سے دو فرسنگ پر واقع تھا ۱۲

[2] اوپر کا دم بھرنا مراد آخری سانسوں سے ۱۲ آسی

نہ آنکھوں میں طاقت نہ تن میں تواں / کہ جوں خشک ہو نرگس بوستاں
وہ تن سرخ جو تھا سو پیلا ہوا / وہ جوڑا جو تھا سبز نیلا ہوا
وہ سر میں جو تھے اسکے سنبل سے بال / ہوئے لاغری سے بدن کی وبال
فقط پوست باقی تھا اور استخواں / نہ تھا خون کا رنگ بھی درمیاں
بدن سے رگوں کی تھی اس شکل نمود / کہ الجھی ہو جوں ریسمان کبود
بدن خشک و زرد اس طرح تھا وہ گل / خزاں دیدہ ہو جس طرح برگ گل
وہ ناخن جو تھے اسکے مثل ہلال / سو وہ ہو گئے بڑھ کے بدر کمال
یہ دیکھا جو احوال اسکا تباہ / تو روتا ہوا جلد فیروز شاہ
بٹھا تخت پر اپنے اسکو وہاں / لے آیا وہ بیٹھی تھی جوگن جہاں
رکھا تخت اک جا پہ اسکا چھپا / کہا پھر یہ جاکر کہ نجم النسا
چل اب تو کہ میں اسکو لایا یہاں / یہ سنتے ہی گھبرا کے بولی کہاں
دوانی تھی از بس وہ اس نازنیں کی / نہ سر کی رہی سدھ نہ کچھ پانوں کی
کہا چل کہاں ہے بتا تو مجھے / ذرا اسکی صورت دکھا تو مجھے
کہا رہ کے چلیو ذرا تھم رہو / کہ شادی بڑی ہے کہیں غم نہ ہو
یہ کہہ اور لے ہاتھ میں اسکا ہاتھ / لے آیا وہ جوگن کو واں ساتھ ساتھ
گیا آپ اس تخت پر بیٹھ اور / دکھایا اسے اور کہا کر تو غور
جسے ڈھونڈھتی تھی سو یہ ہے وہی / کہا ہاں ارے ہاں یہ تو ہے وہی
یہ کہہ اور اس تخت کے پاس آ / کہا اے پریزاد تو اٹھ ذرا
کہ اس تخت کے گرد اک دم پھروں / بلائیں میں دل کھول کر اسکی لوں

۱ نام ۱۲ آسی

کہا اُسنے ہنس کر بھلا دیکھ تو — تو اس بات پر میرے صدقے بھئی ہو

کہا اُس نے تب اپنی جوتی دکھا — ارے دیو تو کیوں دوا نہ ہوا

غرض وہ پریزاد نیچے اُتر — کھڑا ہو گیا تخت سے ہو اُدھر

یہ اُس تخت کے گرد پھرنے لگی — بلا اُس کی لے لے کے گرنے لگی

گلے لگ کے رونے لگی زار زار — کیا اپنے تن من کو اُسپر نثار

وہ دیکھے جو ٹک آنکھ اُٹھا بے نظیر — تو نجم النسا ہے یہ دخت وزیر

کہا تو کہاں اور کس کا یہ جوگ — کہاں یہ لباس اور کہاں تم یہ لوگ

کہا تیرے غم نے دوانہ کیا — کہ عالم سے اپنے بگانہ کیا

بغل کھول کر دونوں آپسمیں مل — وے رویا کیے دیر تک متصل

بیان اُپنا دونوں جو کرنے لگے — دُر اشک سے چشم بھرنے لگے

کہی سرگذشت اُسنے اُسدم تلک — کہ اس طرح پہونچے ہو تم ہم تلک

یہ سُن بینظیر اپنے دلسوز سے — لگا شاد ہونے اُسی روز سے

کیا ایک دن تو اُنھوں نے مقام — چلے دوسرے دن وہ نزدیک شام

اُنھی تخت پر بیٹھ کر وہ اُدھر — کہ تھا نقش مطلوب اُنکا جدھر

وہ جوگن وہ فیروز شاہ اور وہ ماہ — چلے تخت پر بیٹھ اوپر کی راہ

پڑھے حرف مطلب زبس سوچکر — تو بے کسر پہنچے مشاہت کے گھر

مربع نشیں تھی جو بدر منیر — وہاں اُسکو لائی وہ دخت وزیر

اُتارا وہیں لا درختوں میں تخت — دوبارہ کھلے اُن درختوں کے بخت

اکیلی اُتر واں سے آئی ادھر — لیے سوگ بیٹھی تھی وہ مہ جدھر

یکایک جو آ وہ قدم پر گری — تو جھجکی وہ شہزادی اور کچھ ڈری

پھر آخر جو دیکھا تو جوگن ہے یہ ۔ مرے درد و غم کی بروگن ہے یہ
کہا میری نجم النسا تو ہے جان ۔ اری تیرے صدقے مری مہربان
ہمیں تیرے ملنے کی کب آس تھی ۔ کہ جینے سے اپنے ہمیں یاس تھی
بہت اُسنے چاہا کہ ہووے کھڑی ۔ کھڑی ہوتے ہوتے وہیں گر پڑی
کہا بار غم سے افاقت نہیں ۔ اری کیا کروں مجھ میں طاقت نہیں
بلائیں لگی لینے نجم النسا ۔ لگی گرد پھرنے برنگ صبا
اُسے شاہزادی کا تھا حال یاد ۔ جو تو دیکھا تو یاں اُس سے کچھ ہی زیاد
نہ گھر کی وہ رونق نہ اُسکا وہ حال ۔ گلوں سے لگا دل تلک پائمال
پڑے سارے بے داشت دیوار و در ۔ محل کو جو دیکھا تو ٹوٹا سا گھر
خواصیں جو تھیں پاس وہ نازنیں ۔ سو میلی کچیلی کہیں کی کہیں
نہ چوٹی گندھی اور نہ کنگھی درست ۔ جو چالاک تھی بن گئی وہ بھی سست
ہر اک اپنے عالم میں دیکھو تو دنگ ۔ اُڑا رنگ چہرے کا مثل پتنگ
نہ آپس کی چہلیں نہ وہ چہچہے ۔ نہ گانا بجانا نہ وہ قہقہے
غم آلودہ ہر ایک زار و نزار ۔ نہ آرام جی کو نہ دل کو قرار
جو بیٹھیں تو رونا جو اُٹھیں تو غم ۔ غرض بیٹھتے اُٹھتے اُن پر ستم
چمن سارے ویران سے ہیں پڑے ۔ شجر گل کے اک جھاڑ سے ہیں کھڑے
جو خود ہے تو حیران و بیمار سی ۔ کہ جوں زرد شیشے کی ہو آرسی
نہ تاب و تواں اور نہ ہوش و حواس ۔ ضعیف و نحیف و پریشاں اُداس
یہ دیکھ اُس کا احوال نجم النسا ۔ جلی شمع کی طرح آنسو بہا
ولیکن محل میں پڑی جب یہ دھوم ۔ کیا مثل پروانہ اُس پر ہجوم

سنی ایک سے ایک نے یہ خبر | مبارک سلامت ہوئی یکدگر
کوئی غنچے کی طرح کھلنے لگی | کوئی دوڑ کر اس سے ملنے لگی
کلے کوئی صدقے کے لانے لگی | کوئی سر سے روٹی چھوانے لگی
کوئی آئی باہر سے گھر سے کوئی | ادھر سے کوئی اور ادھر سے کوئی
حقیقت لگی پوچھنے آ کوئی | لگی کرنے آپس میں چرچا کوئی
ہوا اس سے اسکے زبس اژدحام | لگی کرنے گھبرا کے سب کو سلام
کہا بیبیو کل کہوں گی میں حال | کہ اب راہ کی ماندگی ہے کمال
وہ انبوہ جب کچھ ہوا برطرف | تو پھر دیکھ نجم النسا ہر طرف
کہا شاہزادی تو آتی نہیں | ادھر اپنی تشریف لاتی نہیں
چلو چل کے آرام ٹک کیجیے | کچھ اک تم سے کہنا ہے سن لیجیے
گئی جبکہ خلوت میں بدر منیر | کہا میں نے لے آئی ترا بے نظیر
یہ سن ایک دم تو وہ غش کر گئی | کہے تو کہ حیرت میں آ مر گئی
تعجب سے پوچھا کہ سچ سچ ہے یہ | دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ
کہا مجھ کو سوگند اس جان کی | غلط کہنے والی میں قربان کی
نشاط و خوشی کی خبر یک بیک | نہیں منہ پہ کہہ بیٹھتے بے دھڑک
کہا کیونکہ لائی کہا اس طرح | وہ سب کہہ دیا حال تھا جس طرح
ترا قیدی جا کر چھڑا لائی ہوں | اور اک اور بندھوا[1] اڑا لائی ہوں
کہا پھر وہ دونوں کہاں ہیں کہا | درختوں میں انکو رکھا ہے چھپا
عجب وقت میں میں ہوئی تھی جدا | کہ دلبر کو تیرے دیا لا ملا

[1] بندھوا قیدی پابند۔ اسیر ۱۲ آسی

مگر ایک یہ آپڑی سب بے بسی ۔ کہ میں تیری خاطر بلا میں پھنسی
سو اب ایک کو تو بے آتی ہوں میں ۔ ہوا دوسرے کو بتاتی ہوں میں
یہ سُن شاہزادی ہنسی کھلکھلا ۔ کہا کیوں اُڑاتی ہے نجم النسا
اری ایک ہی تو بڑی قہر ہے ۔ کہیں تو ہے امرت کہیں زہر ہے
چل اب چوچلے بس زیادہ نہ کر ۔ شتابی انھیں جاکے لے آ ادھر
کہا پھر پریزاد کے روبرو ۔ بغیر از کسی کے کہے ہو گی تو
کہا وہ تو ایسا دوانا نہیں ۔ وہ اس بات کو کیا کہے گا نہیں
اگر دل میں کچھ تیرے وسواس ہے ۔ نہیں دور وہ بھی ترے پاس ہے
ذرا پوچھ لیجو تو اس بات کو ۔ کہ وہ روبرو اُسکے ہو یا نہ ہو
یہ سنکر شتابی گئی وہ نگار ۔ لیا جا کے آہستہ اُن کو پکار
چھپائے ہوئے لا بٹھایا وہاں ۔ وہ خلوت کا جو تھا قدیمی مکاں
پھر اُس سے یہ پوچھا کہ اے بےنظیر ۔ کہے تو چلی آئے بدر منیر
کہا خیر ہے تجھ کو رشک چمن ۔ چھپے ہیں کہیں بھائی سے بھی بہن
مرا جان و مال اُسپہ قربان ہے ۔ کہ اُسکے سبب سے مری جان ہے
مرا یہ تو ہمدم ہے دن رات کا ۔ مجھے اس سے پردہ ہے کس بات کا

داستان بےنظیر اور بدر منیر کے ملنے کی اور اُسکے باپ کو بیاہ کا رقعہ لکھنے میں

مرے منھ سے ساقی ملادے شراب ۔ کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب

له ہوا بتانا - ٹالنا - فریب دینا ۔ [illegible] اُڑانا [illegible] ۔ ۳ امرت - آب حیات ۔ [illegible] آکسی

یہ سن سن کے باتیں وہ پردہ نشیں | چلی آئی اُٹھ ناز سے نازنیں
حیا سے پھر آکر جو بیٹھی وہ پاس | پھر آ ہی گئے اُسکو ہوش و حواس
اُدھر اشک خونیں ادھر چشم نم | اُسے اُسکا غم اور اسے اُسکا غم
نہ وہ رنگ اسکا نہ وہ اُسکا حال | تن زرد زرد اور رخ لال لال
بہم دو خزاں دیدہ گلزار سے | ملے جیسے بیمار بیمار سے
عجب صحبت آپسمیں اُس دم ہوئی | کہ ایسی بھی صحبت بہت کم ہوئی
وہ نجم النسا اور فیروز شاہ | حیا سے کیے اپنی نیچی نگاہ
سرشک محبت بہانے لگے | اس احوال پر حیف کھانے لگے
اور اس طرف کو شاہزادہ نڈھال | لگا رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
وہ مجروح دل تھی جو بدر منیر | لگی کھینچنے اپنی آہوں کے تیر
چھپا منھ کو اس طرف سے نازنیں | لگی کرنے تر دامن و آستیں
پڑیں غم کی باتیں جو آدرمیاں | یہ روئی کہ لگ لگ گئیں ہچکیاں
غرض دیر تک مل کے روتے رہے | جدائی کے داغوں کو دھوتے رہے
رخ زرد پر اشک گلگوں بہا | بہار و خزاں کو کیا ایک جا
کلیجوں پہ جو داغ تھے بے شمار | سو آنکھوں سے اُنکی دکھائی بہار
پھر آخر کو نجم النسا وہ شریر | لگی کہنے سنتی ہے بدر منیر
کیا چاہتی ہے تو اب قہر کیا | زیادہ نہ بس اپنی الفت جتا
مگر تیری خاطر یہ رویا ہے کم | کہ تو اور رو رو کے دیتی ہے غم
ذرا تن میں آنے دے اسکے تواں | ابھی اسکو رونے کی طاقت کہاں
یہ مُردہ سا لائی ہوں میں اس لیے | کہ دیکھے سے تیرے شتابی جیے

وہاں میں نے اسکی نہیں کی دوا ۔ کہ ہے خانۂ یار دار الشفا
لے آئی ہے اسکو محبت کی دھن ۔ جیا ہے فقط تیرے ملنے کی سن
اسے وصل کی اپنے دارو پلا ۔ کسی طرح اس نیم جاں کو جلا
بس اب کچھ خوشی کی کرو گفتگو ۔ خدا پھر نہ تم کو رلائے کبھو
نہیں خوشنما پاس آئے ہوئے ۔ رہیں دو جنے منہ پھلائے ہوئے
یہ سن ہنس پڑے سب وہ آپس میں مل ۔ پڑیں جس طرح پھول گلشن میں کھل
بہم پھر تو ہونے لگے اختلاط ۔ اُبلنے لگے دل سے عیش و نشاط
شب آدھی گئی جب تو خاصہ منگا ۔ تکلف سے ہر اک کے آگے دھرا
عجب چہل سے سب نے آپس میں مل ۔ کیا نوش حسب تمنائے دل
پھر آخر کو دو دو جدا ہو گئے ۔ الگ خوابگاہوں میں جا سو گئے
اٹھائے تھے جو جو کہ رنج و ملال ۔ ہوے اس مزے میں وہ خواب و خیال
الگ ہو کے لیٹی جو وہ ماہرو ۔ ہوئی لیٹے لیٹے عجب گفتگو
وہ گذرا ہوا یاد کر کرکے حال ۔ لگے رونے آنکھوں پہ دھر کر رومال
کہا شاہزادے نے احوال سب ۔ کنویں میں جو گذرا تھا رنج و تعب
کہ یوں میں اندھیرے میں رویا کیا ۔ کنویں میں تن اپنا ڈبویا کیا
نہ پہونچا کوئی میرا فریاد رس ۔ تڑپتا رہا دل برنگِ جرس
وہ تاریک خانہ مرا گھر رہا ۔ سدا میری چھاتی پہ پتھر رہا
محبت نے یہ جاں کنی اور دی ۔ کہ تن کے تئیں جیتے جی گور دی
زمیں سے نکلنے کی کب آس تھی ۔ فلک کے مجھے ہاتھ سے یاس تھی
عجب طرح سے زیست کرتا رہا ۔ تری جان سے دور مرتا رہا

خدا ہی نے تجھ سے ملایا مجھے — اٹھا قبر سے پھر جلایا مجھے
دیا شاہزادی نے رو رو جواب — کہ میں نے بھی اک شب یہ دیکھا تھا خواب
ترے داغ کی دل میں جو بو گئی — میں اک رات روتی ہوئی سو گئی
تو کیا دیکھتی ہوں کہ صحرا ہے ایک — اور اُس دشت ہُو میں کنواں سا ہے ایک
صدا واں سے آتی ہے بدر منیر — ادھر آ کہ یاں قید ہے بے نظیر
میں ہر چند چاہا کروں تجھ سے بات — ولے کی گئی واں نہ کچھ مجھ سے بات
مری جان گو اس طرف ڈھل گئی — اُسی دم مری آنکھ پھر کھل گئی
عجب اُس گھڑی مجھ پہ گذرا قلق — کہ دل اور جگر ہو گیا میرا شق
اُسی دن سے یہ حال پہونچا مرا — کہ مرتی رہی نام لے لے ترا
نہ دیتا تھا گو کوئی تیری خبر — ولے تھا ترے غم سے دل کو اثر
گذرتا تھا واں مجھ پہ جو صبح و شام — وہ اندھیر تھا مجھ پہ روشن تمام
پہ کہتی میں کس سے یہ درد نہاں — شب و روز جلتی تھی میں شمع ساں
عجب طرح سے زیست کرتی تھی میں — کہ اس زیست کرنے سے مرتی تھی میں
اسی غم میں رہتی تھی لیل و نہار — کہ کیونکر ملا دے گا پروردگار
مری شکل پر رو کے نجم النسا — گئی اس طرح حال اپنا بنا
پھر آگے تو معلوم ہے تم کو سب — کہ ہم تم ملے پھر اسی کے سبب
یہ آپس میں کہہ حال دل رو اٹھی — وہ کہنے کو سوئی تھی بس سو اٹھی
جو ملتے ہیں بچھڑے ہوئے ایک جا — انھیں نیند باتوں میں آتی ہے کیا
پری زاد و نجم النسا واں جدے — الگ اپنی باتوں میں سرگرم تھے
کٹی رات حرف و حکایات میں — سحر ہو گئی بات کی بات میں

شب وصل کی جو سحر ہو گئی — تو سوتوں کو گویا خبر ہو گئی
لیا ماہ نے اپنے منھ پر نقاب — اٹھا بستر خواب سے آفتاب
صبوحی کو اٹھتا ہے جیسے مدام — شراب شفق سے بھرے اپنا جام
پیے روز کو ساتھ آنے لگا — وہ سوتوں کو شب کے جگانے لگا
ہوئی چشم وا اور مژگاں دراز — سپید و سیہ میں ہوا امتیاز
گیا عقدۂ صبح اس دم جو کھل — نکل آئے ایدھر ادھر سے وہ گل
اٹھے جب کہ آپس میں گلفام وہ — گئے باری باری سے حمام وہ
دوبارہ کیا سب نے اپنا سنگار — چمن میں نئے سر سے آئی بہار
وہ جوگن ہوئی تھی جو نجم النسا — تھی گرد اپنے بدن سے چھڑا
نہا دھو کے نکلی عجب آن سے — کہ الماس نکلے ہے جوں کان سے
نہانے سے نکلا عجب اس کا روپ — نکل آئے بدلی سے جس طرح دھوپ
دلے آگ اس نے لگائی یہ اور — کہ پوشاک کی سرخ لالے کے طور
جلانے کو عاشق کے دکھلا پھبن — لیا سرخ لاہی[1] کا جوڑا پہن
تمامی کی سنجاف اس پر لگا — طلا کی طرح سے دیا دگدگا[2]
اسی رنگ کے ساتھ کا سب لباس — تصور میں ہو سرخ جس کے قیاس
بھبھوکا سا تن اور وہ منھ کی دمک — کہ جوں شعلۂ آتش سے اٹھے بھڑک
نکیلی وہ اٹھتی ہوئی چھاتیاں — بھری اپنے جوبن میں اتراتیاں
گلے کی صفائی وہ کرتی کا پاک — ترقے[3] کی انگیا کسی ٹھیک ٹھاک

[1] لاہی ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا ۱۲ [2] دگدگانا - چمکنا - روشن ہونا - سرخ ہونا ۱۲
[3] ایک چمکدار کپڑا ۱۲ آسی

وہ کنچن سی[۵۱] اُسمیں کچیں لال لال — بھرنسی رنگ سے قمقمے کی مثال
نلاہٹ[۵۲] وہ بھٹنی کی اُس سے نمود — کہ جوں سرخ چہرے پہ خالِ کبود
گیا باغبان حسن کا دھر کے بھول — کنول کی کلی پر بنفشہ کا پھول
کہے تو لیے اپنے منھ پر نقاب — شفق میں چھپے جوں مہ و آفتاب
بنت گرد اُسکے نہ کیونکر پھرے — کہ واں گوکھرو لہر کھا کر گرے
وہ پاجامۂ سبز کمخواب اور — دوپٹہ بنارس کا سورج کے طور
جواہر سجا اپنے موقع سے کُل — ترشح میں ہو جیسے نمدیدہ گل
وہ کنگھی کھنچی اور وہ ابرو کھنچے — ہر اک آن میں اپنی ہر سو کھنچے
کھجوری[۵۳] وہ چوٹی زری کا موباف — کہ جوں دود کے بعد شعلہ ہو صاف
عروسانہ اُس نے کیا جو لباس — تو آنے لگی خون کی اُسمیں باس
بنی جبکہ اس رنگ وہ رشک حور — چلی آئی فیروز شہ کے حضور
پریزاد تو قتل ہی ہو گیا — کہے تو کوئی جان سے کھو گیا
حیا سے نہ کی بات نے کچھ کہا — ولے جی سے قربان اُسپر رہا
وہ بن ٹھن کے آپسمیں رہنے لگے — بہم راز دل اپنے کہنے لگے
خوشی سے ہوئے بسکہ سرسبز دل — لگے سبزیاں[۵۴] پینے آپس میں مل
ضیافت بہم مل کے کھانے لگے — وہ غم کھانے اُنکے ٹھکانے لگے
چھپے عیش و عشرت وہ کرتے رہے — پہ غیروں کے چرچے سے ڈرتے رہے
اگرچہ ہر اک وصل سے شاد تھا — ولے ہجر کا غم اُنھیں یاد تھا

۵۱ کنچن ـ صاف ـ شیشہ ۱۲ ۵۲ نلاہٹ ـ نیلاپن بھٹنی ـ پستان کے اوپر کی گھنڈی ۱۲ —
۵۳ کھجوری چوٹی ـ چوٹی کی ایک قسم کی مضبوط گندھاوٹ ۱۲ ۵۴ سبزی ـ بھنگ ۱۲ آسی

یہ ٹھہرا کے نکلے وہ دو ماہ رو
کہ اس بات کو کیجیے ایک سو

غضب ہے جو یوں ہی دو بارہ رہیں
چھپے کب تلک آشکارا رہیں

سہی ہے یہ تکلیف آرام کو
یہ ناکامیاں ورنہ کس کام کو

نصیب اس طرح سے جو یاری کریں
عیاں کیوں نہ ہم خواستگاری کریں

جب آپس میں یہ مشورے ہو گئے
ادھر اور ادھر مل کے دو دو جدا ہو گئے

وہ نجم النسا اور وہ بدر منیر
کچھ اک کر بہانہ وہ دونوں شریر

رہیں گھر میں پھر جا کے ماں باپ کے
کہ دیکھیں گے اب ہم قدم آپ کے

محل بینظیر اور وہ فیروز شاہ
کسی شہر میں رکھ کے فوج و سپاہ

کر اسباب سب سلطنت کا درست
پھر آئے اسی جا پہ چالاک و چست

وہاں کا جو تھا شاہ انجم سپاہ
جسے لوگ کہتے تھے مسعود شاہ

نامہ بھیجنا بینظیر کا مسعود شاہ کو خواستگاری میں بدر منیر کے

کیا نامہ یوں ایک اسکو رقم
کہ اے شاہ شاہاں و اے فخر جم

فریدوں مثال و سکندر نژاد
مراد جہان و جہانِ مراد

جہانِ شجاعت زمانِ کرم
دل رستم گرد حاتم ہمم

میں وارد ہوں یاں اک جہاں غریب
لے آئے ہیں مجھکو میرے یاں نصیب

نوازش سے اپنی کرم کیجیے
غلامی میں اپنی مجھے لیجیے

ہمیشہ سے ہے راہ و رسم جہاں
کہ وابستہ یوں ہی ہے کار جہاں

جہاں پر یہ روشن کہ میں ماہ ہوں
ملک زادہ ابنِ ملک شاہ ہوں

ہر اک مجھ سے واقف ہے برنا و پیر
کہ ہے نام میرا شہ بے نظیر

بیاں سب کیا ماضی و حال کا
تجمل لکھا فوج و اموال کا

جتا کر بہت عجز اور انکسار
لکھا حرف اک یہ بھی آخر کی بار

کہ جو ہووے برعکس شرع شریف
وہ ہو اپنے مذہب میں اپنا حریف

اگر مانیے خیر تو مانیے
نہیں آپ آیا ہمیں جانیے

گیا یہ جو مسعود شہ کو پیام
سنا اور پڑھا خط کا مضموں تمام

سمجھ اسکا مضمون مسعود شاہ
کہ اتنی ہے فوج اور یہ کچھ ہے سپاہ

اگر جنگ ہو تو بڑی جنگ ہو
پھر آگے خدا جانے کیا رنگ ہو

اور آخر یہی ہے زمانہ کی چال
کہ پیوند ہوتے ہیں باہم نہال

نہ تازی یہ کچھ رسم پیوند ہے
ہمیشہ سے عالم برومند[1] ہے

جواب نامہ بے نظیر کا ملک مسعود شاہ سے

لکھا نامہ اسکے تئیں در جواب
کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب

لکھا بعد حمد و ثنائے خدا
پس از نعت احمد شہ انبیا

کہ نامہ تمہارا جو سربستہ تھا
وہ رازِ نہاں اپنے ہاتھوں کھلا

شریعت کے عالم میں مجبور ہیں
نہیں اپنے نزدیک ہم دور ہیں[2]

اگر ہم کبھی اپنے دعوے پہ آئیں
تمہارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں

ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طور
نہیں نیک و بد پر تمہیں اپنے غور

کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں
سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں

وے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ
وگرنہ گھمنڈ آپکا کیا ہے یہ

[1] برومند پھل دینے والا ۱۲ [2] دور ہیں یعنی ہمارے خیالات بہت بلند ہیں ۱۲ کہیں

زبس ہم کو ہے پاس شرع رسول ‌‌ ‌ سو اس واسطے کرتے ہیں ہم قبول

خلافِ پیمبر[۱] کسے رہ گزید ‌ ‌ ‌ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اک اچھی سی تاریخ ٹھہرائیے ‌ ‌ ‌ دیا حکم ہم نے تمہیں آئیے

گیا ایلچی لے کے نامہ اُدھر ‌ ‌ ‌ اڑی ہر طرف پھر خوشی کی خبر

سنی یہ جو نامہ کی گفت و شنید ‌ ‌ ‌ ہوئی شاہزادے کو گویا کہ عید

کشادہ ہوئے دل جو تھے غم سے تنگ ‌ ‌ ‌ اُسی دن سے ہونے لگے راگ و رنگ

ہوئیں برطرف سب دل آزاریاں ‌ ‌ ‌ لگیں ہونے شادی کی تیاریاں

بلا شگنیوں کو بتا سال و سن ‌ ‌ ‌ مقرر کیا نیک ساعت کا دن

داستان بے نظیر اور بدر منیر کے بیاہ کی اور اُسکے تجمل میں

کدھر ہے تو اے ساقی گلبدن ‌ ‌ ‌ دھری آج اُس شمع رو کی لگن[۲]

بلا مطربانِ خوش آواز کو ‌ ‌ ‌ کہ آویں لیے اپنے سب ساز کو

وہ اسباب شادی کا تیار ہو ‌ ‌ ‌ مکرر نہ پھر جس کی تکرار ہو

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز ‌ ‌ ‌ چڑھا بیاہنے وہ مہِ دل فروز

محل سے نکل جب ہوا وہ سوار ‌ ‌ ‌ بجے شادیانے بہم ایک بار

[۱] جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے خلاف ہوکر رستہ چلا وہ منزل پر نہیں پہنچ سکتا ۱۲

[۲] لگن دھرنا بیاہ کے پہلے لڑکی والے کے یہاں سے کچھ سامان اور شادی کے متعلق مقرر کردہ تاریخ کا ایک تحریر کردہ کاغذ لڑکے والے کے یہاں جاتا ہے ۱۲ ناشی

کروں اُس تجمل کا کیونکر بیاں ۔۔۔ کہ باہر ہے تقریر سے وہ سماں

وہ دولہا کے اُٹھتے ہی اک غل پڑا ۔۔۔ لگا دیکھنے اُٹھ کے چھوٹا بڑا

کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا ۔۔۔ کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا

لگا کہنے کوئی ادھر آئیو ۔۔۔ ارے رتھ شتابی مری لائیو

کسی نے کسی کو پکارا کہیں ۔۔۔ نہ لانے پہ میانے[1] کے مارا کہیں

کوئی پالکی میں چلا ہو سوار ۔۔۔ پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار

جو کثرت میں دیکھا کہ گاڑی نہیں ۔۔۔ کوئی آ کے تانگے[2] میں بیٹھا کہیں

سپر اور قبضے کھڑکنے لگے ۔۔۔ سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے

نکورے[3] وہ نوبت کے اور انکے بعد ۔۔۔ گرجنا وہ دھونسوں کا مانند رعد

وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں ۔۔۔ جنھیں گوش زہرہ مفصل سنیں

ہزاروں تمامی کے تخت رواں ۔۔۔ اور اہل نشاط اُن پہ جلوہ کناں

وہ طبلوں کا بجنا اور اُن کی صدا ۔۔۔ وہ گانا کہ اچھا بنا لاڈلا

وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار ۔۔۔ وہ موتی کا سہرا جواہر نگار

ٹھہر کر وہ گھوڑوں کا چلنا سنبھل ۔۔۔ ہما کے وہ دونوں طرف مورچھل

وہ فانوسیں آگے زمرد نگار ۔۔۔ کہ ہو سبز مینا جنھوں پر نثار

دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے ۔۔۔ پتنگے خوشی سے غزلخواں ہوئے

ہوا دن جو روشن چراغان سے ۔۔۔ پڑھے شعر نوری کے دیوان سے

چراغوں کے ترپولیے[4] جا بجا ۔۔۔ اور اُن میں وہ بازاریوں کی صدا

۱؎ میانہ ایک سواری جسے کہار وغیرہ اُٹھاتے ہیں ۱۲ ۲؎ مانگے تانگے کی چیز مستعار شے ۱۲ ۳؎ نکورا نوبت اور ڈھول کی آواز۔ دھونسا: بڑا نقارہ ۱۲ ۴؎ ترپولیا: تین در کے بنائے ہوئے دروازے ۱۲

کوئی پان بیچے کھلونے کوئی	کوئی دال موٹھ اور سلونے کوئی
تماشائیوں کا جدا اک ہجوم	پتنگے کریں جوں چراغوں پہ دھوم
کڑکنا وہ نوبت کا باجوں کے ساتھ	گرجنا وہ دھونسوں کا دھوں دھوں کے ساتھ
براتی ادھر اور اُدھر جوق جوق	وہ آواز قرنا[1] اور آواز بوق
وہ کالے پیادے وہ اُن کی نفیر[2]	کہ تا چرخ پہونچے صدا اُنکی چیر
وہ آرائش اور گل کئی رنگ کے	وہ ہاتھی کہ دو دیو تھے جنگ کے
وہ ابرک کی ٹٹی وہ بینے کے جھاڑ	کہے تو کہ تنکے کی اوجھل پہاڑ
دو رستہ برابر برابر وہ تخت	کسی پر کنول اور کسی پر درخت
وہ رنگیں کنول اور وہ شمع و چراغ	کھلے جس طرح لالۂ نور باغ
جہاں تک نظر آوے اُن کی قطار	طلسمات کی سی ہوا پر بہار
اناروں کا دغنا بھچنبے کا زور	ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور
اُڑایا ستاروں کو جو آگ نے	تو ہاتھی لگے بن کو پھر بھاگنے
وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار	ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار
دھواں چھپ گیا نور میں نور ہو	سیاہی اُڑی شب کی کافور ہو
سراسر وہ ہر طرف مشعل کے جھاڑ	کہ جوں نور کے مشتعل ہوں پہاڑ
زری پوش سردار سب یکدگر	پھریں برق کی طرح ایدھر اُدھر
کہے تو کہ نزدیک اور دور سے	زمین و زماں بھر گیا نور سے
جب آئی وہ دولھن کے گھر پر برات	کہوں واں کے عالم کی کیا تم سے بات
ہوا واں کی صحبت کی رشک بہشت	دھرے نکلے گرد عنبر سرشت

[1] قرنا۔ بوق۔ باجوں کے نام ترئی وغیرہ ۱۲ [2] نفیر آواز ۱۲ آسی

کھڑے بادلوں کے وہ خیمے بلند　　کریں عالم نور جس کو پسند

عجب مسند اک جگمگی اور فرش　　تماشے کے عالم کا چوکور فرش

بلوریں دھرے شمعدان بیشمار　　چڑھیں موم کی بتیاں چار چار

نئے رنگ کے اور نئے طور کے　　دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے

تماشائیوں کی یہ کثرت تھی بس　　لگے ایک سے ایک سب پیش و پس

دو زانو زری پوش بیٹھے تمام　　شراب خوشی کے کیے نوش جام

وہ دولہا کا مسند پہ جا بیٹھنا　　برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا

طوائف کا اُٹھنا اک انداز سے　　دکھانا وہ آ صورتیں ناز سے

کروں راگ اور ناچ کا کیا بیاں　　فقط تھی کسی وقت کا سا سماں

وہ ارباب عشرت کا آپس میں مل　　جمانا کھرج[1] راگ کا دیکے دل

وہ ایمن[2] کی تانیں ادھر اور اُدھر　　ملے سُر طنبوروں کے با یکدگر

اور اُس صنعت سے اک چھوکری کا نکل　　جتانا ہنر اپنا پہلے پہل

اُلٹنا دوپٹے کا دیسے کے تال　　وہ بوٹا سا قد اور کہروے[3] کی چال

کبھی پر لو میں دکھائی ادا　　کہ جوں ٹوٹ کر بجلی ہووے ہوا

کبھی گت بھری[4] ناچنا ذوق سے　　کہ تیورا کے عاشق گرے شوق سے

ادھر کی یہ گت اور اُسکا سبھاؤ　　اُدھر اوٹ میں نایکہ کا بناؤ

کھڑے ہو کے دو گھونٹ حقے کے لے　　چبا پان اور رنگ ہونٹوں پہ دے

انگوٹھے کی لے سامنے آرسی[5]　　وہ صورت کو دیکھ اپنی گلزار سی

[1] نام راگ کا ۱۲ [2] ایمن ایک راگ کا نام ۱۲ [3] کہروا - ایک قسم کا ناچ جو اکثر ہیجڑ کو ناچا جاتا ہے ۱۲ [4] گت بھری ایک ناچ کا نام ۱۲ [5] آرسی

اُلٹ آستیں اور پھر یکا چاک　　نئے سر سے انگیا کو کر ٹھیک ٹھاک
پنا کنگھی اور کر کے ابرو درست　　جھٹک دامن اور ہو کے چالاک و چست
دوپٹے کو سر پر الٹ اور سنبھل　　یکایک وہ صف چیر آنا نکل
پکڑ کان اور گھنگروؤں کو اٹھا　　پہن پاؤں میں اپنے سر سے چھوا
ادھر اور ادھر رکھ کے کاندھے پہ ہاتھ　　چلے ناچتے آنا سنگت[1] کے ساتھ
فتح چند کے ہاتھ کی سورت ایک　　لجاتی ہوئی چاند سی صورت ایک
کبھی ناچنا اور گانا کبھی　　رجھانا کبھی اور بتانا[2] کبھی
خوش آوازیاں اور گانا خیال[3]　　دکھانا ہر اک دم میں اپنا کمال
وہ شادی کی مجلس وہ گانے کا رنگ　　وہ جی کی خوشی اور وہ دل کی ترنگ
وہ پھولوں کے گہنے کناری کے ہار　　وہ بیٹھی ہوئی رنڈیوں کی قطار
وہ بیڑوں کے پتے پڑے ہر طرف　　غم دل جسے دیکھ ہو بر طرف
ادھر گاؤ پہ رنگ تھا اور یہ راگ　　محل میں ادھر گھوڑیاں[4] اور سہاگ
وہ گھر میں سی شادی مبارک و ڈھول　　وہ ٹونے[5] سلونے وہ میٹھے سے بول
اترنے کی واں سمدھنوں کی پھبن　　کھلیں پھول جیسے چمن در چمن
گلوں میں پہنانا وہ ہنس ہنس کے ہار　　لٹاسٹ وہ پھولوں کی چھڑیوں کی مار
دکھانا وہ بن بن کے اپنا بناؤ　　وہ آپس کی رسمیں وہ آپس کے چاؤ
ٹھہاکے[6] ہنسی شور و غل تالیاں　　سہانی نئی گالیاں

[1] سنگت۔ سفرائی۔ سازندے ۱۲ [2] بتانا۔ بھاؤ بتانا ۱۲ [3] خیال۔ ایک راگ ۱۲
[4] گھوڑیاں ایک قسم کا گیت جو عورتیں شادی و بیاہ میں گاتی ہیں ۱۲ [5] ٹونے سلونے ایک قسم کے گیت
جو مراثنیں شادی میں گاتی ہیں اور وہ فحش بھی ہوتے ہیں ۱۲ [6] ٹھہاکے یعنی قہقہے ۱۲ —

غرض کیا لکھوں تاب مجھ میں نہیں
نہ دیکھے گا عالم کوئی یہ کہیں

داستان نکاح ہونا بینظیر کا ساتھ بدر منیر کے اور شادی نجم النسا کی پری زاد سے اور رخصت ہو نا آپ میں

چھکا ہوں نشے میں بہت ساقیا
مجھے بدلے اب مے کے شربت پلا

کسی پر نہ ایسا ہو جو بار ہوں
کہ پھر میں گلے کا ترے ہار ہوں

ہوا جب نکاح[1] اور بٹے ہار پان
پلا سب کو شربت دیے خاصدان

اٹھا پھر تو نوشاہ بعد از نکاح
محل میں بلانے کی ٹھہری صلاح

چلا یوں وہ دولہا دولھن کی طرف
اڑے جیسے بلبل چمن کی طرف

وہاں تک پہونچتے ہوئے کیا کہوں
ہوئے ٹوٹکے[2] لاکھ بہر شگون

ہوا لیکن اس وقت دونا مزا
کہ دولہا دولھن جب ہوئے ایک جا

عروسی وہ گہنا وہ سوہا[3] لباس
وہ مہندی سوہانی وہ پھولوں کی باس

ملا سرخ جوڑے پہ عطر سہاگ
کھلے ملکے آپس میں دونوں کے بھاگ

دکھا مصحف[4] اور آرسی کو نکال
دہرا پیچ میں سر پہ آنچل کو ڈال

نہ تھا وصل اس طرح کا دھیان میں
خدا نے کیا آن کی آن میں

عجب قدرت حق نمایاں ہوئی
جسے آرسی دیکھ حیراں ہوئی

[1] بعض جگہ نکاح کے بعد ہار پان تقسیم ہوتے ہیں اور حاضرین کو شربت پلانے کی رسم ہے ۱۲۔
[2] ٹوٹکا۔ ایک قسم کا سحر۔ جنتر منتر ۱۲ [3] سوہا۔ سرخ ۱۲ [4] آرسی مصحف شادی کی ایک رسم جو مشہور ہے ۱۲۔ آرسی

وہ جلوے[1] کا ہونا وہ شادی کی دھوم
وہ آپس میں دولہا دولھن کی رسوم

کسی نے پسائی سر پنج[2] آن کر
کوئی گالیاں دے گئی جان کر

کہیں کوئی واں گال سے کچھ لگا
گئی کوئی دولھن کی جوتی چھپا

وہ شیریں جو بیٹھی تھی شیریں بنی
نبات[3] اسکی چننے بنے کو بنی

چنائی نبات اسکو اس گھات سے
کہ ڈھکا[4] دیا ہر گھڑی بات سے

زبس دل تو تھا اس کا ہر جا پہ بند
سبھی جائے اُسنے چنی کر پسند

اٹھائی ڈلی اس کی آنکھوں سے یوں
کریں نوش بادام شیریں کو جوں

ڈلی وہ جو ہونٹھوں کی تھی لب ملی
وہ مصری کی منھ سے اٹھائی ڈلی

کمر سے اُٹھائی ڈلی اس طرح
کہ ہاں ہوں نہیں کی نہیں جس طرح

ذرا پاؤں پڑکے اٹھانے اڑا
نہیں اور ہاں کا عجب غل پڑا

یہ ظاہر کی تکرار تھی بار بار
وگرنہ دل اس پاؤں پر تھا نثار

عجب طرح کی رنگ رلیاں ہوئیں
کہ باتیں وہ مصری کی ڈلیاں ہوئیں

وہ سب ہو چکی جبکہ رسم و رسوم
سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم

سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت
وہ دولھن کی رخصت وہ رونیکا وقت

کھڑے سب کا لاچار منھ دیکھنا
کہ یارب یہ کیا ہے جہاں پیکھنا[5]

وہ دُلھن کا رو رو کے ہونا جدا
وہ ماں باپ کا اور رونا جدا

نکلتے وہ جانا محل سے جہیز
کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز

[1] جلوا۔ وداع کے روز دولھا دلھن کو اپنے سامنے بٹھا کر آرسی مصحف دکھاتا ۱۲ [2] سر پنج پسانا۔ یہ بھی ایک شادی کی رسم ہے ۱۲ [3] نبات چنوانا۔ دلھن کے کئی اعضاء پر مصری کی ڈلیاں رکھتے ہیں جو دولھا سے چنوائی جاتی ہیں ۱۲ [4] ڈھکانا۔ جان جان کر ترسانا ۱۲ [5] پیکھنا۔ بری بات ۱۲ آسی

یہاں موت ہے اہل عرفان کو — کہ جانا ہے اک دن یونہیں جان کو

وہ جو دردمندی کے ہیں آشنا — وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

وہ دولہا کا دلہن کو گودی اٹھا — بٹھانا محافے میں آخر کو لا

چلے لے کے چنڈول[1] جس دم کہار — کیا دو طرف سے زر اسپر نثار

کھڑے تھے جو واں چشم کو تر کیے — سو موتی انھوں نے پچھاور کیے

ادھر اور ادھر اپنے سہرے کو چیر — وہ اک چاند سا منہ دکھا بے نظیر

سوار اپنے گھوڑے پہ ہو کر شتاب — کہ جوں صبح ہووے بلند آفتاب

دکھاتا ہوا حشمت و عظم شان — لیے ساتھ ساتھ اپنے نوبت نشان

وہ پیچھے تو چنڈول میں رشک ماہ — اور آگے وہ خورشید عالم پناہ

پھرا گھر کو اپنے قدم با قدم — سواری سمیت گھر میں وہ اترا صنم

غرض اس طرح جب وہ دلہن کو بیاہ — لے آیا جہاں اسکی تھی عیش گاہ

ہوئی وہ جو ہوتی ہے رسم و رسوم — کہ ظاہر میں تھی یہ بھی درکار دھوم

اٹھایا اسی دھوم میں لگتے ہاتھ — پریزاد کا بیاہ چوتھی کے ساتھ

وہ نجم النسا تھی جو دخت وزیر — گیا اس کے والد کنے بے نظیر

کہا باپ کو اسکے اے خیر خواہ — مرا بھائی ہے ایک فیروز شاہ

سو میں تجھ سے رکھتا ہوں اک التجا — کہ تو اسکو فرزندی میں اپنی لا

غرض ہر طرح کر رضامند اسے — کیا حال پر اپنے پابند اسے

پریزاد تھا وہ جو فیروز شاہ — دیا اسکو نجم النسا سے بیاہ

اسی دھوم سے اور اسی فوج سے — اسی شان سے اور اسی اوج سے

[1] چنڈول ۔ ایک سواری جسے کہار وغیرہ اٹھاتے ہیں سکھپال ۱۲ [illegible]

وہی سب تجمل وہی سب رسوم	ہوئی تھی جو کچھ بیاہ میں اُسکے دھوم
دقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں	برابر رہی چہل دن رات میں
اسی طرح اُس کو بیاہا غرض	جو کچھ قول تھا سو نباہا غرض
خدا راست لایا اُنھوں کے جو کام	بر آئے دلوں کے مطالب تمام
ہوئیں متصل یہ جو دو شادیاں	بسیں ایک جا چار آبادیاں
پھرے دن تو اپنے وطن کو پھرے	وہ آشفتہ بلبل چمن کو پھرے
خوشی سے لیے حرمت و جان و مال	چلے شہر کو اپنے وہ حال حال[1]
وہ نجم النسا اور فیروز شاہ	فلک پر سے ہو مثل خورشید و ماہ
رضا اُن سے لیکر اُسی آن میں	گئے شاد و خرم پرستان میں
یہ اقرار چلتے ہوئے کر گئے	کہ گو تم اُدھر اور ہم ایدھر گئے
تم اس غم سے مت ہو جیو سینہ ریش	کہ ہم تم سے ملتے رہیں گے ہمیش
تسلی وہ دے کر اُدھر کو چلے	یہ ایدھر لیے اپنا لشکر چلے

داستان بینظیر کی بدر منیر کو اپنے وطن لیجانے اور ماں باپ سے ملاقات کرنے میں

پلا ساقیا آخری ایک جام	کہ ہوتی ہے بس یہ کہانی تمام
وہ نزدیک پہونچے جو اس شہر کے	کیا پاس جا خیمہ اک نہر کے
کیا جبکہ خلقت نے تفتیش حال	اور آنکھوں سے دیکھا وہ بدر کمال

[1] جلد جلد ۱۲ آسی

پڑا شہر میں یک بیک پھر یہ غل — کہ غائب ہوا تھا سو آیا وہ گل
خبر یہ ہوئی جبکہ ماں باپ کو — کیا گم انھوں نے وہیں آپ کو
زبس دل تو تھا یاس ہی سے بھرا — یہ سن ہاتھ پاؤں گئے تھرتھرا
لگے رونے آپس میں زار و نزار — کہا ہائے ہم کو نہیں اعتبار
ملا دیں گے ہم سے ہمارا حبیب — یہ دشمن نہیں اپنے ایسے نصیب
یہ ہوگا کوئی دشمن ملک و مال — سو میں آپ ہی ہوں گرفتار حال
کوئی اس کا وارث تو آخر نہیں — وہی لیکے جاوے یہ جھگڑا کہیں
کہا سب نے صاحب چلو تو سہی — یہ بیٹا تمھارا وہی ہے وہی
مکرر سنا جب کہ بیٹے کا ناؤں — چلا پھر تو روتا ہوا ننگے پاؤں
وہ آتا تھا جیسے کہ بیٹا ادھر — پڑی باپ پر جو ہی کا یک نظر
جو ہیں اپنے کعبہ کو دیکھا رواں — چلا سر کے بل بینظیر جواں
گرا پاؤں پر کہہ کے یہ باپ کے — خدا نے دکھائے قدم آپ کے
سنی یہ صدا جو ہیں اس ماہ کی — تو اس غم رسیدہ نے اک آہ کی
اٹھا سر قدم پر سے چھاتی لگا — لپٹ کے گھڑی دو تلک خوب سا
یہ رویا یہ رویا کہ غش کر چلا — کہے تو کہ آنسو کا لشکر چلا
ملے پھر تو آپس میں وہ خوب سے — کہ یوسف ملے جیسے یعقوب سے
وہ گل گل شگفتہ ہوا گل کی طرح — یہ گل کی طرح اور وہ بلبل کی طرح
ہوئے شاد و خرم صغیر و کبیر — چلے لے کے نذریں امیر و وزیر
ہوئے عیش سے سب کو ہستی ہوئی — نئے سر سے آباد بستی ہوئی
بڑی دھوم سے اور بڑی آن سے — بجاتے ہوئے نوبتیں شان سے

وہ پھولا جو تھا ہجر کے داغ سے — ہوئے جا کے داخل اسی باغ میں
زنانی سواری اتروا کے ساتھ — پکڑ اس گل نوشگفتہ کا ہاتھ
درآمد ہوا گھر میں سرو رواں — لیے ساتھ اپنے وہ غنچہ وہاں
کہ اتنے میں آگے نظر جو پڑی — تو دیکھا کہ ماں راہ میں ہے کھڑی
بہی چشم سے آنسوؤں کی قطار — گرا ماں کے پاؤں پہ بے اختیار
وہ ماں خوب بیٹے کے لگ کر گلے — یہ روئی کہ آنسو کے نالے چلے
بہو اور بیٹے کو چھاتی لگا — وہ دونوں کے دو ہاتھ باہم ملا
ہوئی جان اور جی سے اُن پر نثار — پیا پانی اُن دونوں پر وار وار
جگر پر جو تھے درد اور غم کے داغ — بجھے وصل سے ہجر کے وہ چراغ
سب آپس میں رہنے لگے مل ملا — پھر آئے چمن میں وہ گل کھل کھلا
وہ آنکھیں جو اندھی تھیں روشن ہوئیں — زمینیں جو تھیں خشک گلشن ہوئیں
زبس باپ ماں کو تھی حسرت کی چاؤ — دوبارہ انھوں نے کیا اُس کا بیاہ
لکھوں گر میں اس بیاہ کی دھوم دھام — تو پھر یہ کہانی نہ ہووے تمام
بنا اُن کی تقدیر کا جو بناؤ — نکالے انھوں نے یہ سب دل کے چاؤ[1]
وہ جیسی کہ اس باغ میں تھی خزاں — بسے آ کے پھر اُس میں سب گلرخاں
محل میں عجائب ہوئے چہچہے — وہ مرجھائے گل پھر ہوئے لہلہے
ہوا شہر پر فضل پروردگار — وہی شاہزادہ وہی شہریار
وہی لوگ اور وہی چرچے تمام — وہی ناز و انداز کے اپنے کام
وہی بلبلیں اور وہی بوستاں — شگفتہ گل و غنچہ و دوستاں

[1] چاؤ، ارمان، آرزو

انھوں کے جہاں میں پھرے جیسے دن
ہمارے تمھارے پھریں ویسے دن

ملیں سب کے بچھڑے الٰہی تمام
بحق محمد علیہ السلام

ہوئے جیسے وہ شاد ہوں شاد ہم
رہیں شہر میں اپنے آباد ہم

رہے شاد نواب عالی جناب
کہ ہے آصف الدولہ جسکا خطاب

خوشی اسکی ہے سرو باغ مراد
رہے روشن اسکا چراغ مراد

بحق حسینؑ و امام حسنؑ
رہوں شاد میں بھی غلام حسن

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا
کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا

زبس عمر کی اس کہانی میں صرف
تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف

جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر
تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر

نہیں مثنوی ہے یہ اک پھلجھڑی
مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی

نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں
نہیں مثنوی ہے یہ سحر البیان

رہیگا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام

ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا
تب اس طرح رنگیں یہ مضموں کیا

اگر واقعی غور ٹک کیجیے
صلہ اسکا کم ہے جو کچھ دیجیے

غرض جس نے اسکو سنا یہ کہا
حسن آفریں مرحبا مرحبا

جو منصف سنیں گے کہیں گے سبھی
نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہو گی کبھی

مرے ایک مشفق ہیں مرزا قتیل
کہ ہیں شاہراہ سخن کے دلیل

سنی مثنوی جب یہ مجھ سے تمام
دیا اس کی تاریخ کو انتظام

زبس شعر کہتے ہیں وہ فارسی
ہر اک شعر ان کا ہے جوں آرسی

انھوں نے شتابی اٹھا کر قلم
یہ تاریخ کی فارسی میں رقم

قطعہ تاریخ طبعزاد مرزا قتیل

بہ تفتیش تاریخ ایں مثنوی	کہ گفتش حسن شاعر دہلوی
زدم غوطہ در بحر فکر رسا	کہ آرم بکف گوہر مدعا
بگوشم ز ہاتف رسید ایں ندا	بریں مثنوی باد ہر دل فدا

۱۱۹۹ھ

قطعہ تاریخ طبعزاد مصحفی

میاں مصحفی کو جو بھایا یہ طور	اُنھوں نے بھی کی فکر از راہ غور
کہی اسکی تاریخ یوں برمحل	یہ بتخانۂ چین ہے بے بدل

۱۱۹۹ھ

تاریخ فخر الدین ماہر کی

سنی جب کہ ماہر نے یہ مثنوی	تو محظوظ ہو فکر تاریخ کی
یہ مصرع پڑھا وہیں پاکر طرح	ہے اس مثنوی کی یہ نادر طرح

۱۱۹۹ھ

تمام شد مثنوی سحر البیان

مثنوی گلزار ارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد علیم العلام و مناجات دلِ ناکام در قبولیت کلام

خداوندا کہوں میں کیا زبانی ۔ کھلا ہے تجھ پہ سب رازِ نہانی

دلوں کے بھید سے ہے تو ہی آگاہ ۔ تو ہی اس درد کا محرم ہے واللہ

ثنا و حمد تیری کب بیاں ہو ۔ بجائے ہر بُنِ مو گر زباں ہو

کروں کیا کیا ترا شکرانِ نعمت ۔ کرامت کی ہے مجھے الوانِ نعمت

رکھا محروم گو دولت سے یاں کی ۔ و لیکن دی مجھے دولت زباں کی

سخن کا وہ دیا تو نے مجھے گنج ۔ نہ آوے جس کی دولت میں کبھو[1] رنج[2]

زباں کو دی مری روشن بیانی ۔ مثال شمع باسوزِ نہانی

رکھا سرسبز جوں[3] طوطی چمن میں ۔ مجھے دی جا گلستانِ سخن میں

کہ تا نعتِ نبی کہتا رہوں میں ۔ اسی دریا میں نت[4] بہتا رہوں میں

---

[1] کبھو۔ کبھی کی بجائے مستعمل تھا اب متروک ہے ۱۲ [2] رنج نہ آئے یعنی کمی نہ آئے ۱۲

[3] جوں۔ مانند۔ مثل۔ طرح ۱۲ [4] نت۔ ہمیشہ ۱۲ آسی۔

نعت سید المرسلین محبوب رب العالمین

محمدؐ وہ کہ ہے فخرِ دو عالم — جہانتک اُسکی ہو تعریف ہے کم
کرے نعت اُسکی کوئی کس زباں سے — کہ یہ تو بحث ہے باہر بیاں سے
وہی مقصود ہے دونوں جہاں کا — وہی مبدا ہے یاں کا اور واں کا

منقبت کرار غیر فرار لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار

علی اُس کا وصی شیر دلاور — اُکھاڑا جس نے اک حملے میں خیبر
محمدؐ بن نہیں کوئی اُس کا ثانی — یہی اک بات ہے باقی کہانی
نبیؐ کی آل کا جو ہو رہے ہے — خدا بندہ اُسے اپنا کہے ہے
پلا ساقی مجھے پیالہ شتابی — کہ اُس گردش نے کی خانہ خرابی

بیانِ حالِ دلِ زار و آوارہ شدن از دیار بہ دیار

ہوا آوارہ[۱] ہندستان جب سے — قضا پورب میں لائی مجھکو تب سے
لگا تھا ایک بت سے واں مرا دل — ہوئی اُسکی جدائی سخت مشکل
مری آنکھوں میں وہ صورت کھڑی ہے — پیالی میں وہ چُنّی[۲] سی جڑی ہے
اگرچہ واں سے میں آنے کو آیا — و لے اُسکی جدائی نے ستایا

۱؎ یعنی بعد ترک وطن جب ہندوستان میں جابجا مارا مارا پھرا تو تقدیر پورب میں لائی ۱۲۔
۲؎ آنکھوں کو پیالی سے اور محبوب کے تصوّر کو چُنّی سے تشبیہ دی ہے۔ چُنّی چھوٹا سا سرخ نگ یا لالڑی۔ ریزۂ یاقوت کو بھی کہا جاتا ہے ۱۲ آسی

چلا گاڑی میں یوں آیا میں ناچار
قفس میں جس طرح صید گرفتار

غرض کرنے تو کی قطع منازل
و لے ہر ہر قدم رہتا گیا دل

جب اسکی بات آجاتی ہے کچھ یاد
جرس کی طرح میں کرتا ہوں فریاد

بہانہ رکھ جدائی کا وطن کی
میں رو رو ندیاں کرتا تھا بن کی

بگولے کی طرح گو مضطرب حال
گہے نقش قدم کی طرح پامال

بہر صورت غرض افتان و خیزاں
چلا آتا تھا میں حیران پریشاں

تشتت[1] تھا مجھے اس گلبدن کا
کہ پھر منہ کیونکہ دیکھوں گا چمن کا

کسی سے کہہ نہ سکتا تھا میں احوال
کہ تھی شرم حیائے عشق دنبال[2]

مثال شمع جی دیتا تھا چھپ چھپ
گرے پڑتے تھے آنسو میرے ٹپ ٹپ

ہر اک میدان تھا اس شکل سے گل[3]
کٹی برسات میں وہ اپنی منزل

کسی رہ میں نظر پڑتا تھا جب باغ
میں اپنے دل سے لگتا دیکھنے داغ

رہا میں ڈیگ[4] میں آکر کئی ماہ
چلا واں سے رضائے حق کے ہمراہ

روانہ شدن ہمراہ چھڑی مدار و قدم بر داشتن از ڈیگ بہ پیلار

مکن پور کو چھڑی[5] چلتی تھی واں سے
اٹھے ہم ساتھ اسکے اس مکاں سے

یہ مشفق میر سیف اللہ جو ہیں
اور ان کے بھائی نور اللہ جو ہیں

[1] تشتت۔ بروزن تکبّر، پریشانی۔ پراگندگی ۱۲ [2] دنبال بضم دال پیچھے ۱۲ [3] گل سے یہاں مراد گارا بھیگی ہوئی مٹی کیچڑ ۱۲ [4] ڈیگ نام مقام ۱۲ [5] وہ جھنڈی جو سجا کر کسی بزرگ کے نام پر بنائی اور پھر اس کے مزار پر چڑھائی جاتی ہے میرانجی اور مدار کی چھڑیاں مشہور ہیں ۱۲ عبد الباری آسی۔

منگاتا تھا میں جس خاطر کبھی پان — اُسے کر یاد جاتی تھی مری جان
مجھے حقّے سے کب تھا سر پھرانا — نہ بھاتا تھا کسی کا منھ لگانا
کوئی بیٹھا کہیں کوئی پڑا تھا — کسی کا منتظر کوئی کھڑا تھا
پری زادوں میں تھے باہم اشارات — ہر اک چوکی[1] تھی واں تختِ طلسمات[2]
پہونچے آکے جب منزل سرِ شام — اُتر پڑتا ہر اک واں بہرِ آرام

دربیان حرکات وسکنات فقیران ملنگان و شرح و بسط نکات حاجتمندان معتقدانہ

ڈفالی[3] واں کھڑی کرتے تھے چھڑیاں — وہ چھڑیاں کیا بھلی لگتی تھیں کھڑیاں[4]
زیادہ حاجتی[5] مائل تھے سب سے — رسوم اُسکی بجا لاتے ادب سے
دیا باتی[6] سرِ شب روز کرتے — دیے چھڑیوں کے آگے لاکے دھرتے
ملنگوں[7] کو جو دیکھا تو عجب حال — کھڑے ہلتے ہیں اور کھیلیں ہیں دھمال[8]

[1] چوکی - چھوٹا تخت جس پر چھڑیاں تعزیہ وغیرہ رکھے جاتے ہیں ۱۲ [2] تخت طلسمات - اُڑنے والا پریوں وغیرہ کا تخت ۱۲ [3] ڈفالی ایک قسم کے فقیر جو ڈفلی بجا کر اور گا کر مانگتے ہیں ۱۲ [4] کھڑیاں - کھڑی ہوئی - اب اس طرح نہیں لکھتے ۱۲ [5] حاجتی - حاجتمند - مراد ہے نذر و نیاز والے ۱۲ - [6] دیا باتی - چراغ بتی ۱۲ [7] ملنگ بروزن پلنگ - ایک قسم کے آزاد فقیر جو اپنا سلسلہ بدیع الدین شاہ مدار سے ملاتے ہیں ۱۲ [8] دھمال کھیلنا - ملنگ فقیروں کا ایک خاص وضع سے اچھل کر اپنا کودنا شور و غل کرنا - دھما [illegible] کی مچانا - انشا کا یہ شعر بھی اسی کا پتہ دیتا ہے ـــ اے مکن پور کے میاں تو اور ہی کچھ شان ہے + کھیلے ہے دھمال تیرے عاشقوں کی میدنی ۱۲ - آسی

زنانے ڈفلیاں بجتی ہیں پیہم ۔ اکم دم[1] کا لگاتے ہیں کھڑے دم

چڑھاتا ریوڑی[2] کوئی کوئی پھول ۔ ملیدا[3] ہی کوئی لاتا بہ معمول

کوئی مجرا[4] کوئی کرتا دعائیں ۔ کھڑا چپٹ پٹ کوئی لیتا بلائیں

ادھر اودھر کوئی کرتا نظارہ ۔ نکل آتا کہیں سے ماہ پارہ

دیے تھے وہ کہ دعوت[5] کے چراغاں ۔ ہوئی تھی جمع وہاں جنس پرستاں

ہجوم ماہرویاں اس قدر تھا ۔ کہ ہم کو دل کے پس جانے کا ڈر تھا

نہ پائی خال نے اس حسن کی رہ ۔ بہم پہونچی نہ تل دھرنے کی جاگہ

زبس تھی حسن کی کثرت سے گرمی ۔ مثال موم تھا دل صرف نرمی

پہونچنے کا انھوں تک کون لے ناؤں ۔ نظر نے پھونک[6] پھونک اپنا رکھا پاؤں

مثال بید[7] مجنوں ہر چھڑی تھی ۔ کہ اس کے گرد ہر لیلا کھڑی تھی

وہ نیزے[8] تھے کہ یا قد بتاں تھے ۔ کہ سجدے میں جن آگے انس و جاں تھے

وہ چھڑیاں تھیں کہ تھیں مژگان دلدار ۔ وہاں تھے پیر[9] کے نیزے نمودار

بلندی میں ہر اک ایسی چھڑی تھی ۔ کٹوری[10] ماہ کی جس پہ جڑی تھی

[1] پانڈو سلفے یا چلم کا ایک لمبا دم لگانا ۱۲ آسی [2] ریوڑی - گٹھیا تل شکری ۱۲ [3] ملیدا ملی ہوئی روٹی جس میں گڑ شکر گھی وغیرہ ملایا ہو ۱۲ [4] سلام - گانا ۱۲ [5] دعوت حاضرات بیٹھک کرنے کے لیے چراغ جلا کر رکھتے ہیں ۱۲ [6] پھونک پھونک کر قدم - یا پاؤں رکھنا - نہایت احتیاط کرنا ۱۲ [7] بید مجنوں - بید کی ایک قسم جو نیچے ہی نیچے پھیلتی ہے ۱۲ [8] نیزہ بانس - چھڑ ۱۲ [9] پیر کے نیزے - کسی پیر کا جھنڈا یا صرف قابل تعظیم شاہ نصیر کے شعر میں بھی یہ محاورہ مستعمل ہوا ہے ~ کاغذ کا ناؤ کیا ہے ترے روبرو قلم + ایسا ہی یعنی پیر کا نیزہ ہے تو قلم ۱۲

[10] یعنی اتنی لمبی چھڑیاں تھیں کہ ماہ کی کٹوری ان پر جڑی معلوم ہوتی تھی ۱۲ آسی

سیہ نیزوں کا ہے از بسکہ دستور | چراغوں میں وہ تھے مثل شب[1] نور
سیاہی یوں بھلی لگتی تھی سب کی | کہ گویا زلف تھی بکھری وہ شب کی
گئی وہ زلف چوٹی پر ملک کی | سیاہی میں چھپی سرخی فلک کی
پری رو گرد یوں چھڑیوں کے پھرتے | پتنگے شمع پر جیسے ہوں گرتے
سبھی محظوظ اور خوش تھے ہر رنگ | ولے ایک میں ہی اپنے جی سے تھا تنگ
وہ نیزے تھے مرے سب نے بچھے بھالے | سمجھتا تھا میں نیزے اپنے نالے
مری آہیں سیہ چھڑیاں تھیں گویا | مجھے تھا روز و شب اُن کا تماشا
میں اپنے دل کی کرتا تھا زیارت | مجھے منظور تھی وہاں کی بشارت
مرادوں کا وہی اک آسرا تھا | خدا ہی کے میں دروازے پڑا تھا

گرفتار شدن آشنا و افزودن بلا بر بلا

پلا ساقی مجھے اک جام لبریز | کہ چھیڑوں ایک قصہ اُلفت آمیز
قضا را اُن میں اک رشک پری تھی | کہ مد[2] میں اپنے جوبن کے بھری تھی
مری اُن آشناؤں میں سے یکبار | ہوا دل ایک کا اس سے گرفتار
میں اپنے ایک تو مرتا تھا غم میں | مجھے مرنا پڑا اُس کے الم میں
ہوا اُس کو بھی رنج عشق منظور | قضا نے ایک جا رکھے دو رنجور
تعشق نے کیا اُسکو بھی شیدا | ہوا دل کا مرے ہمدرد پیدا

[1] شب نور چاندنی رات ـ نیزے چونکہ سیاہ تھے لہذا رات سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ چراغوں میں تھے اس لیے چاندنی رات بتایا گیا ۱۲ [2] مد ـ نشہ یعنی اپنی جوانی کا اس کو غرور تھا ۱۲

ہم آپس میں غم اپنا کہتے سُنتے
مثالِ شمع روتے سر کو دُھنتے

اگر تھے سب بے خبر یا باخبر تھے
غرض اس راہ میں گرم سفر تھے

جب آئے منزل مقصود پہ ہم
ہوا اُس آشنا کو اور بھی غم

کہ اب روز سیہ در پیش آیا
قضا نے یہاں سے اس مہ کو چھڑایا

مکن پور میں رہے ہم رات کی رات
اسی کی زلف کی کرتے رہے بات

وہ کاٹی رات رو رو جس طرح سے
کسی کا دن نہ کٹیو اس طرح سے

سبھی سوتے تھے اور ہم دونوں بیدار
جرس کی طرح اس غم سے دل افگار

یہ دھڑکا تھا کہ اب ہووینگے راہی
یہ کشتی یہاں سے کھاویگی تباہی

سحر ہووینگے اس گنگا سے ہم پار
یوں ہی رہجائیگا دل اپنا جی وار ؎

مرا وہ یار نٹو نٹو بار رحبا کر
اُسی گاڑی کے پردے کو اُٹھا کر

کئی باتیں سُنا آتا تھا غم کی
پرائے غم میں کہہ اپنے الم کی

رکھا تھا اُسکے بھی کچھ دل نے منظور
ولے چلتا نہ تھا کچھ اُس کا مقدور

یہ سچ ہے جو کسی کا دل جلاوے
وہ دل ہی دل میں داغ اُسکا اُٹھاوے

ہمیں ترسا تو مے سے ساقیا مت
کہ ہے نزدیک اب صبح قیامت

طلوع صبح قیامت و در افتادن ازاں سرو قامت وغرق شدن بہ دریائے ملامت و ہمخوابہ شدن با عروس ملامت

مثالِ غنچہ جس دم کا تھا دھڑکا
ہوا صبح قیامت کا وہ تڑکا

؎ جی وارنا۔ جان قربان کرنا ۱۲ آسی۔

فلک نے کیا قیامت یہ اٹھائی / پڑی بن وصل آپسمیں جدائی
چلا جب قافلہ پورب کا وہاں سے / جدا ہونے لگے ہم کارواں سے
صدا اُودھر جرس کی تھی ہویدا / فغاں تھی یہاں دل محزوں سے پیدا
چلے جس وقت ہم محزون و غمناک / ہوا اُس دم گریبانِ سحر چاک
بچھڑ کر ہم بتوں سے آپڑے یاں / مثالِ عمرِ رفتہ وے رہے واں
ہوا احوال جو اُس دن ہمارا / لکھا جاتا نہیں احوال سارا
کبھی میں اُسکو سمجھاتا تھا رو رو / سرشک اپنے سے اسکا داغ دھو دھو
کبھی غمخوارگی وہ میری کرتا / سنبھالے مجھکو اس رہ سے گزرتا
فغاں کی اُس نے تو کی آہ ہم نے / عجب عالم میں کاٹی راہ ہم نے
یہ افسانہ اگرچہ سرسری ہے / وے اُس وقت کی لذت بھری ہے
اگرچہ اب تو وہ صحبت کہاں ہے / نہیں گو زخم پر اُس کا نشاں ہے
کرے ہے ذکر دلی کا کوئی جب / مری آنکھوں سے گرتا ہے لہو تب
تراوش دل کرے ہے جا بجا سے / رسے جوں ڈانک پورب کی ہوا سے
مجھے غم تھا جدائی کا صنم کی / ہوئی تازہ کہانی اس الم کی
غرض قصہ رہا یہ بھی ادھورا / کہ دنیا کا نہیں انجام پورا

رسیدن بہ سجن و واضح شدن معنی

اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَجَنَّةٌ لِّلْکَافِرِیْنَ[۱]

[۱] دنیا مومنوں کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کے لیے جنت ہے ۱۲ امنی

لے آ ساقی زمرد فام مینا — بٹھا حلقے[۱] پہ ساغر کے نگینا

جب آیا میں دیار لکھنؤ میں — نہ دیکھا کچھ بہار لکھنؤ میں

کیا تھا غم نے ازبس دل پہ ڈیرا — لگا اس جا پہ ہرگز جی نہ میرا

بہت ہیں گرچہ اہل اللہ اس جا — و لے جا گہ جو بد ہو تو کریں کیا

زبس یہ ملک ہے بہڑ[۲] پہ بستا — کہیں اونچا کہیں نیچا ہے رستا

کسی کا آسماں پر گھر ہوا میں — کسی کا جھونپڑا تحت الثریٰ میں

نہیں یہ لکھنؤ یہ ہے زمانا — زمانے پر عبث رکھا بہانا

عجب ہے یہاں کی رسم و راہ گندی — گہے پستی ہے اور گاہے بلندی

زبس گنجان ہے یہ شہر باہم — سما سکتا نہیں یہاں غیر کا دم

ہر اک کوچا یہاں تک تنگ تر ہے — ہوا کا بھی بمشکل واں گذر ہے

سیہ گل سے گلی یوں تر رہے ہے — بغل جس طرح حبشی کی بہے ہے

فراغت سے یہاں کس کا مکاں ہے — ہر اک[۳] گھر نحس کا سا دل یہاں ہے

کنواں بھی یوں ہے پھر اس تنگ گھر میں — پڑے پتلی کا تل جیسے نظر میں

کنواں کہنا اسے ہی عقل سے دور — کہ ہو اس گھر کی چھاتی کا وہ ناسور

کہوں میں کیا قدامت اس مکاں کی — پڑی بنیاد بعد اس کے جہاں کی

مثال فرد[۴] جو اینٹ اسکی ہو لال — لکھا ہے اسمیں دقیانوس[۵] کا حال

ہزاروں راہ اسمیں پیچ در پیچ — ولیکن مثل زلف زشت رو ہیچ

---

[۱] یعنی ساغر شراب دے ۱۲ [۲] بہڑ بروزن کیچڑ نیچی اونچی ناہموار زمین ۱۲ آسی [۳] منحوس کو تنگدل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چھوٹے دل والا ہوتا ہے ۱۲ [۴] فرد سے مراد یہاں فرد کاغذ ۱۲ —

[۵] دقیانوس زمانۂ قدیم کے ایک بادشاہ کا نام ۱۲ آسی

جو اُس کے زیر سایہ آن نکلے — رُکے دم اور اُس کی جان نکلے
ہوا ہے راہ چلنا سب کو دشوار — خطر ہے گر پڑے سر پر نہ دیوار
جو کوئی رات کو بھولے یہاں گھر — پھرے گلیوں میں ٹکراتا وہ در در
نہیں امکان جو گھر اپنا پاوے — بلا خورشید کو جب تک نہ لاوے
لکھوں کیا چوک کی تنگی کا احوال — کمیت[۵۱] خامہ چل سکتا نہیں چال
کسی سودے کو واں گر کوئی جاوے — خدائی ہو تو یہ جیتا گھر آوے
زبس کوفے سے یہ شہر[۵۲] ہمعدد ہے — اگر شیعہ کہیں نیک اسکو یزد ہے
عجب کیا ہے اگر حاتم[۵۳] یہاں آئے — تو قارون[۵۴] کی طرح وہ بوم ہو جائے
زبس افراط[۵۵] ہے یہاں بھیڑیوں کا — سدا دھڑکا ہے یوسف طلعتوں کا
رکھے ہے جو کوئی فرزند و اطفال — ہوا ہے اسکو رہنا یہاں کا جنجال
سحر تک شام سے رہتا ہے دھڑکا — مبادا بھیڑیا لے جائے لڑکا
بھلا اس طرح سے آرام کد ہو — رہے یہاں وہ جو کوئی لاولد ہو
سوائے تو وہ خاک اور پانی — یہاں ہر جنس کی دیکھی گرانی

۵۱ کمیت۔ گھوڑا جو سرخ رنگ مائل بہ سیاہی ہو ۱۲ ۵۲ اس شہر یزد "۵" القطع سے خارج ہو گئی۔ لکھنؤ اور کوفے کے اعداد بحساب ابجد برابر ہیں، دونوں کے اعداد ایک سو گیارہ ۱۱۱ ہوتے ہیں ۱۲ ۵۳ حاتم طائی عرب کے ایک مشہور سخی کا نام ۱۲ ۵۴ قارون زمانۂ حضرت موسیٰ کا ایک مالدار بخیل ۱۲ ۵۵ افراط زیادتی۔ اسے زیادہ تر ... استعمال کرتے ہیں۔ اس شعر میں قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تلمیح ہے کہ اُن کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے از راہ دروغ کہا تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا اٹھا لے گیا ۱۲ آسی

احوالِ یاراں و خرابیِ یاراں

غرض برسات میں جو کچھ ہے یہاں حال ‎ — ‎ لکھا جاتا نہیں وہ مجھ سے احوال

چڑھے ہے گومتی جب گرد آکر ‎ — ‎ حباب آسا ہے پھرتے ہیں سب گھر

نہ لکڑی ہاتھ آتی ہے نہ ایندھن ‎ — ‎ جدھر دیکھو ہے پانی اور نہیں ان

زبس پانی بھرا رہتا ہے اس جا ‎ — ‎ نہیں یہ شہر ہے گویا یہ مٹکا

کہوں پھر اسکے آگے کیا سر انجام ‎ — ‎ کہ بن ڈونگی نہیں چلتا یہاں کام

میسر یہاں سواری کیسی ہی آئے ‎ — ‎ معطّل ہے بجز کشتی کی گھرنائے[۱]

کریں ہیں آستاں بوس آکے نالے ‎ — ‎ قدم گھر سے کوئی کیونکر نکالے

قدم گھر سے رکھے وہ شخص باہر ‎ — ‎ جسے دمڑی[۲] کا گھوڑا ہو میسّر

رکھے ہے پار ہو سکتا تب امکاں ‎ — ‎ چڑھے جب آدمی پر آدمی یاں

جگہ چاہے جو کوئی یہاں بنالے ‎ — ‎ تو اک طوفان کا گنبد اٹھا دے

سوائے قند[۳] یہاں دیکھا نہ کچھ اور ‎ — ‎ سو ہے روپوش وہ بھی دیکھ یہ طور

کوئی یہاں سیر کے قابل نہیں جا ‎ — ‎ کہ جا کر دیکھیے وہاں ٹک تماشا

فی المدح مکان خواجہ باسط فی الجملہ بشان خواجہ باسط

مگر یہاں ہے تو جائے خواجہ باسط ‎ — ‎ کہ تھی موزوں برائے خواجہ باسط

---

[۱] گھرنائے۔ ایک چیز جس سے دریا کو عبور کرتے ہیں یہ چیز دو اُلٹے گھڑے ایک بانس کے ڈنڈے میں باندھ کر بنا تے ہیں۔ یعنی گھڑے کی ناؤ۔ اس کو اکثر دہلی وغیرہ میں گھرنائی کہا جاتا ہے ۱۲۔

[۲] دمڑی کا گھوڑا ایک کھلونا ۱۲ [۳] قند ایک قسم کی دانہ دار مٹھائی ۱۲ آسی

رکھے حق اس کو یہ وہ آستاں ہے
کہ دہلی[۱] جس کی دہلی کا نشاں ہے

خوشا یہ ذوق و شوق عندلیباں
سرود مجلس و حال عزیزاں

مثنویوں میں یہ ہے ہندوستاں کے
ورق ہے یہ مرقع کا وہاں کے

در ادعیہ و اثنیہ نواب مستطاب معلی القاب وزیر الممالک عالی تبار کیوان وقار دام اقبالہ و زاد اجلالہ

رہے نت آصف الدولہ سلامت
کہ جس نے کی یہاں طرح اقامت

عمارت کی یہاں وہ اس نے بنیاد
کہ نظارے سے ہو جیسے جہاں شاد

مٹا دی اس نے سب یاں کی کدورت
بنائی لکھنؤ کی ایک صورت

رہے قائم سدا یا رب یہ سردار
کہ بنگلا[۲] لکھنؤ ہے جس سے گلزار

دل برداشتن این آزاد از قید شہر بیداد و رفتن بہ گلگشت فیض آباد

چل اے ساقی شتابی جام بھر دے
اسی کشتی سے مجھ کو پار کر دے

تو بس تنگی سے یاں کی میں ہوا تنگ
مری چھاتی پہ ہر ٹیلا ہوا سنگ

یہ دیکھی میں نے جب کیفیت شہر
مرے اک وز جی میں آئی یوں لہر

کہ کیجیے سیر فیض آباد جا کر
چلا میں وہاں سے اپنا دل اٹھا کر

جو نہیں داخل ہوا میں اس نگر میں
کھلا جنت کا دروازہ نظر میں

عجب معمورۂ[۳] آباد پایا
مثال گل ہر اک دل شاد پایا

۱ دہلی - دہلیز - چوکھٹ ۱۲ ۲ بنگلہ لکھنؤ ۱۲ ۳ معمورہ - بستی ۱۲ آسی

وہ انگورٹی[1] وہ موتی باغ دیکھا — ارم جس کے حسد سے داغ دیکھا
عمارت شہر کی دیکھی وہ عالی — کہ جس نے عرش کی خوبی اُٹھا لی
کھلا بازار اور رستے کشادہ — بیاض جدولی ہو جیسے سادہ
دورستہ[2] اہل حرفہ[3] اور دُکاندار — لڑی موتی کی ہو جیسے نمودار
دُرستی راستی میں اتنا رستا — کسی نے آج تک دیکھا ہے بستا
شمار اس کا کروں گر اُسکی حد تک — سخن جاوے ازل سے لے ابد تک
جو کوئی شام کو وہاں چوک جاوے — شب راحت کا دن کو حظ اُٹھاوے

در تعریف ترپولیہ ہوا پذیر رشک کشمیر جنت نظیر

سر بازار وہاں ترپولیا[4] ہے — کہ جوں دروازۂ جنت کھلا ہے
بنایا ہے کسی اُستاد کا وہ — نمونہ ہے جہان[5] آباد کا وہ
وہ جی ہے شہر کا ترپولیا یوں — کہ جیسے تین روحیں جسم کی ہوں
نہیں ترپولیا ایسا جہاں پہ — گئی جس کی بلندی آسماں پہ
نہ اب ہے نے ہوا پہلے نہ ہو گا — سوا اسکے مکاں دلچسپ ایسا
اشارت سے کہے ہے اسکی محراب — کہ ہیں تینوں[6] زمانے میرے ابواب
کھلے رکھے ہیں اُسمیں اسلیے در — چلی آوے ہوا جنت کی فر فر
وہ ٹھنڈی باد اور سایہ ہوا دار — ادھر اُودھر کٹوروں کی وہ جھنکار

---

[1] انگوری فیض آباد کی کسی جگہ کا نام ۱۲ [2] دورستہ۔ مراد دوطرفہ ۱۲ [3] پیشے ور کاریگر۔ صناع ۱۲
[4] ترپولیا۔ تین بڑے دروں کا پھاٹک جو کسی بازار وغیرہ کے شروع میں بناتے ہیں ۱۲۔
[5] جہان آباد۔ شاہجہاں آباد کا مخفف۔ دہلی ۱۲ [6] ماضی۔ حال۔ مستقبل ۱۲ آسی

کھرے ہے باؤلی پی سرد پانی	یہی ہے زندگانی کی نشانی
اڑا اے حظ کوئی دم اس مکاں کا	غنیمت جان تو وقفہ یہاں کا
ٹک اس آب و ہوا سے دل کو کر شاد	کہ آوے گی یہ جنت میں بہت یاد
اٹھ اے ساقی نہ کر خواب شکر خند[۱]	کہ میں نقشہ کروں یاں کا قلمبند

در توصیف بازار رنگین نمونہ بہشت بریں و بیان دکاکین بہ تو آئین کہ صد ہزاراں مشتری زلیخا وار در یک پلہ میزان نشستہ و یوسف طلعتان پیش ہر دوکان چوں مصریان تماشا بین دست بستہ از ہر طرف صدائے سودا فروشاں چوں الحان داؤدی می آید کہ دل را می رباید یا نغمہ طوطی ہزارے است کہ ہوش می افزاید

ادھر کو جوہری اودھر[۲] کو بزاز	ادھر صراف اور اودھر طلا ساز[۵]
سخن[۳] میں بحر و کاں کے نعل بالنعل	اگلتے[۴] ہیں زباں سے جوہری لعل

---

۱ خواب شکر خند - میٹھی نیند ۱۲ ۔ ۲ اُودھر بجائے اُدھر پہلے بولتے تھے اب متروک ہے ۱۲ ۔ ۳ یعنی یہاں کان اور بحر کی چیزیں موتی، سونا برابر ہیں۔ یا سنار کان زر و سیم اور جوہری بحر کی مانند ہیں نعل بالنعل - مطابق ۱۲ ۔ ۴ لعل اگلنا - نہایت فصاحت سے باتیں کرنا - رنگیں کلامی ۱۲ ۔ ۵ طلا ساز - سنار ۱۲

جواہر[1] کا کھڑے دلال لیں نام ۔ میاں صاحب جواہر کا کہو کام
روپے[2] اور اشرفی دیکھے برستے ۔ دھرے تختوں پہ جوں نرگس کے دستے
کناری[3] اور گوٹے وہاں مسلسل ۔ مثال برق کرتے ہیں جھلاجھل
کہیں تربوز و خربوزوں کے انبار ۔ کھڑی ہیں مالنیں لے کر کہیں ہار
صدا کرتا ہے کوئی ہاتھ اُٹھا کے ۔ معطر پھول ہیں جی موتیا کے
کوئی مصری[4] کے گنّے کہہ پکارے ۔ کوئی کہتا ہے میٹھے ہیں کتارے[5]
سہانی وہ جو اور شیریں نوا ہے ۔ گنڈیری کے کترنے کی صدا ہے
وہ مصری منھ میں جب آ کر گھلے ہے ۔ گرہ دل کی عزیزوں کے کھلے ہے
یہ فرنی اور فالودے کا عالم ۔ کہے تو چاند اور تارے ہیں باہم
بلا شربت میں جو اسکو بنا وے ۔ شب مہ کا سماں پانی میں پاوے
سراسر بیٹھے ہیں میوہ فروشاں ۔ بھرے انبار سے میووں کی دوکاں
دھرے ہیں خوانچے انمیں سراسر ۔ پکارے ہے ہر اک اپنی صدا کر
کوئی کہتا ہے کیا نمکین بنے ہیں ۔ کوئی کہتا ہے مرچوں کے چنے ہیں
چنے والا لگا کہنے یہ ہنس کے ۔ کرارے بھُر بھُرے نیبو کے رس کے
لیے بیٹھا ہے کوئی سونٹھ[6] کھٹی ۔ پکارے ہے کوئی مصری کی پٹی

[1] یعنی دلال جواہر کا نام بتا کر پوچھتے ہیں کہ میاں صاحب تم کو کس چیز کی ضرورت ہے ۱۲ [2] مراد کثرت زر و سیم ۔ نرگس کے دستے اشرفی کے ڈھیر ۱۲ [3] کناری گوٹا بجلی کی طرح برابر چمک رہے ہیں مسلسل ۔ اور جھلاجھل دو کپڑوں کے نام جس میں زری کے تار ہوتے ہیں اور چمکدار ہوتا ہے ۱۲ [4] مصری کے گنے غالباً گنوں کی شیرینی کا مبالغہ ۱۲ [5] کتارا اِلی خصوصاً کچی اِلی ۔ ایک قسم کا گنا غالباً یہاں یہی مراد ہے ۱۲ [6] ایک قسم کا ہاضم نمکین پانی جسمیں ہاضم دوائیں شامل کرکے بناتے ہیں ۱۲ آسی

مفرح[1] کی کوئی ڈبیاں ہی دکھلا — چکارے ہے کہ لے رنگ لال آجا
خطائی[2] بیچتے ہیں کہہ کے کھپاٹ — کہ ہندستان والی ہے تری چاٹ
کہیں خشکا ہے اور سالن کہیں ہے — کہیں پچلونہ[3] اور پاچن[4] کہیں ہے
کباب اک سمت بھونے ہے کبابی — دھرے ہے شیرمال اور نان آبی
لیے پھرتے ہیں شہد سے ریٹیوں کو — کرے سستی ہیں آدھی ڈیڑھ میں دو
ملائی دودھ کو دیکھو تو گویا — اسی میں مال حلوائی نے کھویا
کوئی لے کھیر کے بیٹھا ہے کاسے — یہ کہتا ہے کہ لے دودھ اور بتاسے
صدائیں ریوڑی والوں کی وہاں ہیں — کرڈاکرڈ بولتی غٹلابیاں[5] ہیں
کوئی کہتا ہے کیا جنگل کی ہے گھاس — فریدا[6] ور لائینگے اللہ اسے بر اس
بلندی میں وہ حلوائی کی دوکاں — ستارے گرد ہوں جن کے چراغاں
وہ دوکاں دیکھ ستھری اور لیپی — شعاع مہر وہاں گرتی تھی جھیپی
دھری ہیں گولیاں[7] اور یوں اندرسے — کہ گویا چاند اور تارے ہیں برسے
وہ پیڑے روشن الدولہ کے ہاں کے — یہ کہتے ہیں پکارے اور ہانکے[8]
نہ لے جو کوئی ہم کو ذر کے ہوتے — کٹے تلخی میں اوقات اسکی روتے
مزا پڑ جائے برفی کا جنھوں کو — سدا چاٹا کریں اپنے لبوں کو

---

[1] مفرح دل و دماغ میں ہلکا سا سرور اور نشہ پیدا کرنے والی دوا ۱۲ [2] خطائی سے مراد غالباً نان خطائی ۱۲ [3] پچلونہ وہ چورن جس میں پانچ نمک شامل کیے گئے ہوں ۱۲ [4] اسی پاچن۔ یہ بھی اسی قسم کی چیز ہے پچانے والی ہاضم دوا ۱۲ [5] کسی مٹھائی کا نام ۱۲ [6] فرید بوٹی ایک گھاس ہے جس سے پانی جم جاتا ہے حضرت بابا فرید شکر گنج بچوں کو مٹھائی تقسیم فرمایا کرتے تھے ۱۲ [7] اندرسے کی گولیاں ۱۲ [8] ہانکے یعنی چلاّ کر اور ہانک لگا کر ۱۲ ذی

جو کھاوے کھٹیاں[1] ہووے نہ رنجور — کریں ہیں تلخی صفرا کو وہ دور
گلابی نوزے[2] کیونکر نہ انساں — ہوا ہے صرف جسمیں شیرۂ جاں
نہ دیکھا ہم نے ایسا حلوہ سوہن — کہ ہو دیکھے سے جسکے شیریں تن من
خصوصًا انمیں وہ حبشی[3] جو ہے وہاں — ملا ہے اس میں گویا آب حیواں
مٹھائی کی کروں تعریف تا چند — قلم کی ہو گئی اب تو زباں بند
جہاں قہوہ[4] ہے اور سیپاری وپن — بساطی بیٹھے ہیں نیچے دکاں چن
وہ دیکھی جنس ان کی جب سے پرکار — نظر سے گر گیا خانم[5] کا بازار
جو کچھ چاہو تم اسباب جہاں سے — بہم وہ جنس پہونچے اک دکاں سے
علاقہ بند[6] اور زرباف[7] یکسر — پڑے بنتے ہیں مقیشوں کے جھالر
چمک انکی ہے گویا بجلی کی کوندھ — کہ دیکھے سے لگے جسکے چکاچوندھ
وہ موچی وہاں کے دیکھے ماہ پارے — جنھوں کی جوتیوں تاکتے ستارے
دکانِ آئینہ ساز اں نظر کر — رہا جوں پارہ اس میں دل ٹھہر کر
بہر صورت یہ جو کچھ میں سنایا — سماں سب ان کے آئینوں میں پایا
زبس ہے باغ کی اک طرف دیوار — ہزاروں رنگ سے پھولے ہیں گلزار
غرض ایک ایک کا عالم جدا ہے — تجلی کی نہیں تکرار کیا ہے

[1] کھٹیوں کی شیرینی کے اثر سے ۱۲ [2] نوز ایک قسم کی بادام اور پستے کی مٹھائی ۱۲ آسی
[3] ایک قسم کا حلوا سوہن جو سیاہی مائل اور نرم ہوتا ہے ۱۲ [4] ایک بیج جسے بھون کر اور پیس کر پانی میں جوش دے کر پیتے ہیں۔ بُن بھی قہوے کو کہتے ہیں ۱۲ [5] خانم کا بازار۔ دہلی کے زنانہ بازار کا نام تھا ۱۲ [6] علاقہ بند پٹوا جو زیوروں کو ریشم یا سوتی تاگوں میں گوندھتا ہے ۱۲
[7] زرباف۔ زردوزی اور گوٹے کناری کے کام کرنے والے ۱۲ آسی۔

کہیں بن ٹھن کے لونڈے ہی کھڑے ہیں / اُنھوں کے گرد عاشق جا اڑے ہیں
کہیں ہیں رنڈیاں ہی ماہ پارہ / اُنھوں کا کرتا ہے کوئی نظارہ
پھریں کھترانیاں سنتوں[1] کے ہمراہ / کہیں ہندو بچے پھرتے پھریں آہ
کہیں ککڑ[2] کوئی پیتا ہے باہم / لگاتا ہے چرس کا ہی کوئی دم
رزالے طوطیاں لے ہاتھ اپنے / جدے پھرتے ہیں لے کر ساتھ اپنے
کوئی سیٹی سے زیں چہ چہ کرے ہے / کوئی دم منھ سے طوطی کا بھرے ہے
ضلع[3] بولے ہے کوئی کوئی پھکڑ[4] / کہیں ٹھٹا کہیں ہے دھول ٹھپڑ[5]
کہیں سکھیاں[6] کہیں کھنڈا[7] اور جگت ہے / ادھر ہے سانگ[8] اور ادھر سنگت ہے
کھڑا کوئی کہیں پونگی[9] بجا دے / کوئی لونڈے کو آگے سے نچا دے
روا بچے کوئی کوئی کرے کھیل / لیے بیٹھا ہے سانڈے کا کوئی تیل
کوئی کھولے کتابیں مورتوں کو / دکھا دے تیاب و بد کی صورتوں کو
زمیں ہے عیش و عشرت کا وہ ٹھانڈ[10] / کہیں ناچیں ہیں کشمیری کہیں بھانڈ
کبوتر کے کہیں شوقین ہیں جمع / کہ جوں پروانے ہوویں بہ سر شمع
غرض موجود ہے سب جنس دنیا / کہیں بلبل کہیں ہے لال منیا

[1] سنت - سادھو ۱۲ [2] ککڑ بفتح کاف اول و دوم مشدد مفتوح - وہ حقہ جو ساقی وغیرہ بازار میں چلاتے پھرتے ہیں ۱۲ [3] ضلع - ذو معنی بات جسے جگت بھی کہتے ہیں ۱۲ [4] پھکڑ بیہودہ و مذاق کی گفتگو جس میں گالی گلوج ہو ۱۲ [5] ٹھپڑ - چانٹا جو سر پر مارا جائے ۱۲ [6] کہہ مکرنی - ایک قسم کی پہیلی ۱۲ [7] کھنڈا - دھوبیوں کی ایک قسم کی شاعری ۱۲ [8] سانگ کھیل تماشا، سنگت ساتھ - یا سانگ کے ساتھی ۱۲ [9] پونگی سپیروں کا باجا - یا بانس وغیرہ کا ایک قسم کا باجا ۱۲ [10] مقام، جگہ ۱۲ .

کھیلیں انڈے پیچک[1] و در سر لڑے ہیں | ید بیضا لیے مہ رو کھڑے ہیں
فقط نوروز پر کیا بس کے برس | اسی تفسیر بیضاوی کا ہے درس
کسی کا کوئی واں مانع نہیں ہے | کہیں ہے نقل اور قصّا کہیں ہے
بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد | کسے را با کسے کارے نہ باشد

تعریف نمودن لال باغ و میوہ ہائے گوناگوں و توصیف افراط فواکہ روز افزوں

نظر بازار سے آگے بڑھی جب | عجوبا[2] اور اک آیا نظر تب
عجائب لال باغ اک طرف دیکھا | کہ جنت کو رہا جس کا پہیکھا
لکھوں آب و ہوا کا واں کی گر حال | عجب کیا ہے قلم لاوے پر و بال
وہ ترکاری وہ میوے بے نہایت | وہ ارزانی کہ گویا ہے ولایت
غرض مطبوع وہ جیسا مکاں ہے | کہوں کیا لالٰی[3] یہاں میری زباں ہے
ہزاروں خانگی[4] اور کسبی[5] آکر | کریں ہیں سیر لالہ دل لگا کر
شتابی دے مجھے ساقی پیالا | کہ ہو دونی نشے میں سیر لا لا
کہیں دیکھی ہے لالی[6] اس لٹک کی | کہ جس کا عکس ہو سرخی فلک کی

---

[1] انڈے پیچک۔ اور سر لڑا اس کھیل کا نام ہے کہ نوروز کے دن عوام یا اسی قسم کے شوقین انڈے مٹھی میں اس طرح لڑاتے ہیں کہ تھوڑا سرا باہر رہتا ہے اور پھر اسکا سر لڑاتے ہیں جس پر ہار جیت بھی ہوتی ہے اسی رعایت سے دوسرے مصرع میں تفسیر بیضاوی جو ایک تفسیر کا نام ہے جو بطریق ایہام لایا گیا ہے ۱۲ [2] عجوبا۔ عجیب چیز ۱۲ [3] لال گندلی ۱۲ [4] فاحشہ عورتیں جو گھر میں بیٹھ کر اور پردہ دار بن کر پیشہ کرتی ہیں ۱۲ [5] رنڈیاں بازاری عورتیں ۱۲ [6] سرخی ۱۲ - آسی -

جہاں تک چشم کی حد نگہ جائے
ہزاروں کوس لالہ ہی نظر آئے

پریزادوں کا اُس جا جمع ہونا
درختوں کے وہاں سایے میں سونا

وہ گلرویوں کا اُس لالے میں پھرنا
پتنگوں کی طرح آتش پہ گرنا

عجب گرمی سے کرتا سیر لالا
کہ تا عاشق کی آتش ہو دوبالا

ہر اک گل سی وہ صورت دیکھی مقبول
کہ میرے ہاتھ پاؤں سب گئے بھول

در بیان آراستگی معشوقان گل اندام بہ پیرائش و خراش تازہ و زیب و زینت زیور و لباس محبوبان خود کام بہ ادائے دلربایانہ بے اندازہ

زر و زیور میں یوں آراستہ سب
کہ شمشاد[۱] جنکی دیکھ کر چھپ[۲]

کوئی پہنے کناری[۳] اور مسلسل
لباس شبنم[۴] و کمخواب و مخمل

تکلف سے کوئی پوشاک پہنے
جڑاؤ سر سے پا تک جسکے گہنے

وہ زنگار رنگ ہر لاہی[۵] کی پشواز
کناری کے وہ بند انکے بس انداز

وہ سرخی شوخ اور سبزی وہ گہری
وہ دردامن[۶] روپہری و سنہری

دوپٹے وہ لگی جن کے مسلسل[۷]
پڑے کاندھوں پہ دونوں طرف آنچل

۱ ایک درخت جس کو قد سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۲ ۲ خوبصورتی بھبن ۱۲ ۳ کناری پتلا گوٹا جو دوپٹوں کے کنارے پر لگاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے کسی کپڑے کو بھی کہتے ہوں ۱۲ ۴ شبنم۔ ایک باریک سفید کپڑا ۱۲ ۵ لاہی ایک ریشمی کپڑا جو نہایت باریک ہوتا ہے ۱۲ ۶ وہ گوٹ جسمیں موتی ٹکے ہوتے ہیں اور کرتے وغیرہ کے دامن کے کنارے لگائی جاتی ہے ۱۲ ۷ مسلسل مقیش وغیرہ کی گوٹ جو کنارے اور دور پر لگائیں ۱۲ آسی۔

وہ الماسی کڑے پاؤں میں موٹے
کہ جن کے ہاتھ دل عاشق کا ٹوٹے

چمک دامن کی دکھلا یوں چلے ہے
کہ بجلی اپنے ہاتھوں کو ملے ہے

کوئی کرتی پہن جالی کی سادہ
گریباں گرد چھاتی تک کشادہ

گیا اس دام میں تکمے کو یوں صید
سحر کے جوں گریباں میں ہو خورشید

دوپٹہ اوڑھنا اُس کا اُلٹ کر
کھسل[1] پڑنا پھر اس کا وہاں سے ہٹ کر

وہ کنگھی اور وہ چوٹی بوریا باف[2]
وہ انگیا اور تمامی[3] کی وہ سنجاف

فقط کانوں میں اک سونے کا بالا
کہ جیسے ماہ کے ہو گرد ہالا

جڑاؤ جوڑی اک چودانیوں[4] کی
اور اک جوڑی چمکتی نونگوں[5] کی

وہ مہندی اور کڑے وہ گوکھرو کے
ازاریں گلبدن کی وہ بھبوکے[6]

وہ مختولوں[7] کے لچھے اُنیں پر کار
چمک سے جنکی شرمندہ ہو گلزار

فقط پاؤں میں سونے کے کڑے ہیں
تکلف کچھ نہیں اُنمیں چھڑے ہیں

دھڑی مسی کی اور پاؤنکی ٹیڑی
کہ جوں ابر سیہ میں لال ٹیڑی

پھرے ہے ہر طرف یوں مست مخمور
نشے سے جسکے شیشہ دل کا ہو چور

کوئی اُن سے بھی چتری[8] و سرتی[9]
پہن لاہی کی کلیوں دار کُرتی

تلے سنجاف کے موتی لگا کر
کھر[10] گوٹے کی کلیوں پہ بنا کر

ف۱ کھسل پڑنا۔ کھسل جانا ۱۲ ف۲ بوریا باف وہ چوٹی جسے کھجوری کہتے ہیں ۱۲ ف۳ ایک ریشمی کپڑا ۱۲ ف۴ چودانی کان کا ایک زیور جسمیں موتی کے چار دانے لگے ہوتے ہیں ۱۲ ف۵ نونگے۔ بازو پر باندھنے کا ایک زیور ۱۲ ف۶ یعنی سُرخ ۱۲ ف۷ یعنی مختولوں کے لچھے مقیش وغیرہ کے پھندنے ۱۲ ف۸ چتری۔ چاتر ۱۲ ف۹ سرتی۔ چالاک۔ ہوشیار ۱۲ ف۱۰ کھر۔ کٹاؤ کا کام ۱۲

مولانا عبدالباری آسی۔

بنت[1] انگیا میں سرخ و سبز دے کر — کرے ہے خون دلِ عاشق کا لیکر
وہ ہیکل[2] جسکے دیکھے دل کو ہے کل — وہ چھلّے جسکے اندازوں میں چھل بل
برابر کے وہ پٹھے[3] صاف و ہموار — وہ چاند اک اسمیں سونے کا نمودار
عجب عنوان سے پھرتی تھی لٹکا — کہ ہو ہلنے سے جسکے دل پہ کھٹکا
جواہر کی ہوئی ایجاد جب کان — کھلے کانِ جواہر کے تھے تب کان
وہ پاجامے کا ایڑی تک ڈھلکنا — مغرّق کفش کا چلتے چمکنا
وہ زنجیروں کے پاؤں بیچ چھلّے — قیامت دل کے تئیں لگتے تھے اچھے
کوئی اپنی پھبن میں اس سے گاڑھے — نرالے طور اس نے اپنے کاڑھے
بنارس کا وہ پٹہ ڈال کاندھے — پھرے جوڑے کو اور گاتی کو باندھے
گلے میں پتلی اک سونے کی زنجیر — کہ جوں موج ہوا گل کی گلو گیر
وہ سبزا کان میں زیب بناگوش — کہ جسکو دیکھ طوطی کے اُڑیں ہوش
شعاع وہ اسکی اور منجھ کا پسینا — چڑاؤ کام پر جوں سبز مینا
وہ مستی اس کی بن پوچھی قیامت — ہجوم دود شعلے کی علامت
فقط تعویذ دریائی[4] کا خوش رنگ — بندھا بازو میں اور کھینچا ہوا تنگ
نہ شبنم[5] اور نہ اک تارے کی انگیا — فقط اک چاندا و تارے کی انگیا
وہ توڑے ہاتھ میں تار و نیچے باریک — کہ بن دیکھے جہاں ہو جسکے تاریک

۱ نقرئی اور طلائی کام جو لمبی چیٹ پر کیا گیا ہو یا صرف چیٹ ۱۲ ۲ ہیکل، گلے میں پہننے کا ایک زیور ۱۲ ۳ پٹھے وہ جو ہیکل کے چاند کے ادھر اُدھر ہوں ۱۲ ۴ دریائی ایک کپڑا ریشمی فارسی میں دارائی ۱۲ ۵ شبنم اور اک تارا۔ دو باریک کپڑوں کے نام۔ اک تارے پر پھوٹے پھوٹے خانے ہوتے ہیں ۱۲ ۔ آسی۔

نمایاں رو وہ یوں زلفوں میں گھر کر | کہ نکلے چاند جوں بدلی سے چر کر
چھڑی لے ہاتھ میں رنگیں سادی | پھرے ہے ہر طرف سادی خوز آدی[۱]
کوئی اس سے زیادہ شوخی آمیز | بسا جوڑا اگر[۲] میں فتنہ انگیز
اور اُس پر ارگجے[۳] کا عطر مل مل | سلیقے سے لگا ماتھے پہ صندل
پہن ہاتھوں میں سُمرن[۴] کہربا کی | کہوں کیا اُس کی میں کا فرادا کی
سرِ رہ بام پر آکر کھڑی ہے | صبا میں بحث نکہت کی پڑی ہے
کسی کا سانولا منھ اور وہ بالا | اندھیرے گھر کا تھا گویا اُجالا
پہن کر صندلی ہی کوئی کُرتی | کرے ہے درد سر کھونے میں پھرتی
کسی کی آستیں کہنی تلک چاک | لپیٹے بانہہ پر پھرتی ہے بیباک
کسی نے کی ادا کی اور تدبیر | کہ پہنی ہیکی دریائی میں زنجیر
کسی کے ساتھ پانوں کی پٹاری | بھرا بٹوے میں کتھا اور سپاری

طریق گلگشت لالہ باغ و گلزار و دلہ دن نظارگیان داغدار بنوعے کہ شاہدانِ چمن چوں عندلیب نالاں و گلعذارانِ گلشن چوں گل خنداں

غرض جو ماہرو یا گلبدن ہے | ہر اک مصروفِ گل گشتِ چمن ہے

۱؎ خوزادی - یہاں طنزیہ غالباً مالزادی کا مترادف بناکر لایا گیا ہے ۱۲ ۲؎ ایک خوشبودار لکڑی عود ۱۲ ۳؎ ارگجے کا عطر ایک مرکب عطر ۱۲ ۴؎ سمرن - تسبیح ۱۲ آسی -

جو دیکھا تو کوئی اوڑھے دوشالہ — بناتی ہے کھڑی چنپا کی مالا

کوئی بالے میں لے کر گل بھرے ہے — کوئی پھول اپنی انگیا میں دھرے ہے

رکھے ہے کان پر کوئی گلوں کو — شکستہ دل کرے ہے بلبلوں کو

کوئی پھرتی ہے دامن اپنا گردان — اکڑ کر کوئی دکھلا جاتی ہے آن

کوئی لالے کی پتی توڑتی ہے — کھڑی کوئی پٹاخا چھوڑتی ہے

کوئی ماتھے پہ ہے ٹیکے لگاتی — کوئی لے ڈھولکی بیٹھی ہے گاتی

کوئی گیندا اچھالے ہے کسی ساتھ — دیے بیٹھی ہے کوئی گال پر ہاتھ

پھرے ہے تیتری[1] پر کوئی مائل — ملا جاتا ہے ناحق ایک کا دل

روش پر دوڑتی پھرتی ہے کوئی — سنبھلتی ہے کوئی گرتی ہے کوئی

کھڑی ہے کوئی منھ کو پھیر اکڑے — کوئی ہے سوچ میں ٹہنی کو پکڑے

کسی گُل پاس چھوٹی سی گلی[2] ہے — کسی کے ہاتھ کوری گڑگڑی[3] ہے

خراماں ہے کمر پہ رکھ کوئی ہاتھ — پھرے ہے شرم سے کوئی کسی ساتھ

کوئی ہے مست اور کوئی شرابی — پھرے ہے کوئی جھمکاتی گلابی

کوئی ہونٹھ اپنے چابے اور کوئی قند — بھلا دل کیوں نہ ان بندوں پہ ہو بند

لگا کر منھ سے اپنے کوئی پیالا — کرے ہے بے تکلف سیر لالا

کسی کو دیکھ کوئی دے ہے تالی — کسی کے رنگ پر آتی ہے لالی

لڑاتی ہے کوئی آنکھیں کسی سے — فدا ہوتا ہے کوئی اپنے جی سے

لگے ساتھ انکے نت مائل پھرے ہیں — کوئی پھرنے سے انکے دل پھرے ہیں

---

[1] لکھنؤ میں تتلی کہتے ہیں ۱۲ [2] ایک قسم کا حقہ ۱۲ [3] ایک قسم کا چھوٹا حقہ ۱۲ ـ

کوئی رتھ بان[1] سے کہتی ہو جھک کر
اُتر پڑتی ہوں میں یاں سے زمیں پر
اُٹھا پردا کہ پروانے ہیں سب جمع
جلے کب تک جُدا فانوس میں شمع
کریں ہیں سیر بلبل باز آکر
لیے آتے ہیں وہاں پنجرے اُٹھا کر
نہ طوطی ہی فقط ہانکیں[2] کہے ہیں
ہزاروں طرح کے وہاں چہچہے ہیں
صدا وہ باغبانوں کی جنوں خیز
وہ جاری آبجوئیں شورش انگیز
عجائب باغ اور طرفہ جگہ ہے
کہ مشتاقوں کی گویا وعدہ گہ ہے

دریا دیر منہ میلہ اہل ہند ومسلمین وتاسف خوردن بحسرت از جدائی آں سرزمیں

وہ سیر رمنہ اپنے حسب دلخواہ
وہ نوح اور شیث پیغمبر کی درگاہ
وہ پنجشنبہ کا درگاہوں میں جانا
ہزاروں وہاں پریزادوں کا آنا
نہانوں کا اودھ کی سیر کرنا
ہر اک کافر کے غم میں جا کے مرنا
کہیں گپتار میں جانا گپت[3] ہو
بہانا عشق کے دریا میں دل کو
وہ سورج کنڈ کے میلے میں چلنا
ہر اک خورشید رو کے غم میں جلنا

[1] رتھ بان - رتھ چلانے والا ۱۲-

[2] ہانکیں کہنا یعنی آواز نکالنا - بولی بولنا ۱۲-

[3] غالبًا یہاں گپت کاشی سے مراد ہے جس کا کسی کو پتہ نہیں - یا چھپنے کی جگہ ۱۲ آسی -

در ترانہ سازی مجلس سرود مشفق مہربان میاں اسرار سلمہ اللہ الباری و نغمہ پردازی محفل زمزمہ آمود بکمال سلیقہ شعاری

میاں اسرار کے بنگلے کا عالم ۔۔۔ نہ تھا بنگلے سے فیض آباد کے کم
اُنھوں نے بسکہ تھا اک نقش[1] مارا ۔۔۔ وہاں ہوتا تھا پریوں کا گزارا
سحر سے شام تک رہتا یہی حال ۔۔۔ دکھاتا قرعہ کوئی اور کوئی فال
کھلوں کیا اُن کے تعویذوں کا اسرار ۔۔۔ سراپا ہیں وہ اک خوبی کا طومار
کہاں ایسا کسی نے دوست پایا ۔۔۔ رہے سب دوستوں پر اُنکا سایا
اُنھوں کے پاس سب جمعے کو آکر ۔۔۔ عطائی جی کو خوش کرتے تھے گا کر
اُنھوں کی چونٹ[2] پر کبھی تھے آتے ۔۔۔ کچھ اُن سے سنتے اور اپنا سُناتے
طنبورے لے کے مرزائی و مرزا ۔۔۔ سبھی لگتے تھے گانے بے محابا
اگرچہ تھے تو کہنے کو عطائی ۔۔۔ و لے کبھی سے بھی حکمت اُڑائی
طنبوروں کی وہ تانوں کا گرجنا ۔۔۔ پکھاوج[3] کا اور اُن کے ساتھ بجنا
عطائی[4] بھی ہر اک لیتا تھا وہ تان ۔۔۔ کہ جس سے بو علی سینا[5] ہو حیران

---

[1] مراد یہ کہ کسی نقش کے عامل تھے ۱۲ [2] لاگ ۱۲۔
[3] ایک قسم کی لمبی ڈھولک ۱۲۔
[4] عطائی۔ وہ شخص جس نے کسی کام کو شوقیہ سیکھا ہو نہ اُس کی باقاعدہ تعلیم ہوا ور نہ وہ اُنکا آبائی پیشہ ہو کبھی اس کے برعکس ہر [5] ایک مشہور طبیب و حکیم ۱۲ آسی

اسی سے نقش کا اُن کے ہی ٹھہرا — کہ ان کو یاد ہے تسخیر زہرا

غرض چرچے میں وہاں کٹتی تھی اوقات — عجب صحبت تھی وہ ہیہات ہیہات

عجب ساون میں گڑیوں کا مزا ہے — ہنڈولا جس طرف دیکھو گڑا ہے

خوشی ہے چہل ہے عیش و طرب ہے — سدا عالم یہی وہاں روز و شب ہے

کہا جاتا نہیں کچھ واہ بس واہ — عجائب شہر ہے اللہ اللہ

اگر فردوس بر روے زمین است — ہمین است و ہمین است و ہمین است

مسافر اس طرف جو آن نکلے — نہ نکلے وہاں سے غیر از جان نکلے

قدم وہاں سے جو اٹھ سکتا نہیں یار — بہانا ہے کہ ناکے سے نہ ہوں پار

نہیں بنگلہ[1] یہ جنت کا ہے بنگلا — ہر اک بستی ہے جس کے آگے جنگلا

یہ فیض آباد یہاں جس نے بسایا — بہشت اُسکی عوض دیجو خدایا

جہاں جس سے ہوا آباد و معمور — شجاع الدولہ مرحوم و مغفور

یہ دیکھی سیر میں نے وہاں کی جب دم — وطن کا دل سے سب جاتا رہا غم

رہا القصہ میں وہاں گھر بنا کر — اُسی عشرت کدے کے پاس جا کر

وہاں بھی میں نے اک محبوب پایا — نہایت دل کو وہ مرغوب پایا

کہوں کیا اُس کے اوصاف حمیدہ — نہایت دلفریب و شوخ دیدہ

نئی طرزوں پہ میرے دل کو پھیرا — بھلایا غم قدیمی اُس نے میرا

غرض دل دے کے اپنا ہاتھ اُسکے — رہا آرام سے میں ساتھ اُسکے

نہ تھی معلوم مجھ کو یہ جدائی — قضا پھر لکھنؤ میں مجھ کو لائی

بُرا دن سر سے قسمت نے نہ ٹالا — مجھے جنت سے جوں آدم نکالا

[1] نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں فیض آباد کو بنگلا کہا جاتا تھا ۱۲ کسی

خاتمہ در اجتماع یاران قدیم و از دلدادان صمیم ایں مقام عالی مقام و استدعائے قیام آں مقام علی الدوام

دعا میری یہی ہے اب شب و روز ۔ کہ پھر دیکھوں وہی روئے دل افروز

وہی ہو شہر اور وہ باغ و گلزار ۔ وہی صحبت ہو اور وہ ساتھ کے یار

پھروں میں چہچہے کرتا جہاں میں ۔ غزل خوانی کروں جا اس مکاں میں

رہیں میری غزل خوانی میں شامل ۔ رجب بیگ اور حبیب اللہ و فاضل[1]

حسن جب تک رہے دنیا کی بنیاد ۔ رہے سرسبز فیض آباد آباد

زبس وصف گل و گلشن بہم ہے
سو اس کا نام گلزار ارم ہے[2]

۱۱۹۲ھ

تمام شد مثنوی گلزار ارم

---

[1] رجب بیگ اور حبیب اللہ اور فاضل میر حسن کے معاصر اور فیض آباد کے شاعر معلوم ہوتے ہیں مگر مصنف نے صرف نام نظم کر دیا ہے۔ کاش وہ سب کے تخلص لکھ دیتے تاکہ تذکرہ جات شعراء سے انکا پتہ لگانا ذرا آسان ہو جاتا۔ بہرحال یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعراء میر حسن کے خاص دوستوں میں تھے اور مشاعروں یا شعر خوانی کی صحبتوں میں اُن کے شریک رہتے تھے ۱۲۔

[2] اس مثنوی کا نام تاریخی ہے مگر مصنف نے گلزار میں جو عموماً (ز) سے لکھا جاتا ہے بجائے (ز) کے (ذ) کا استعمال کیا ہے ورنہ تاریخ نہ نکل سکتی ۱۲ عبد الباری آسی۔

مثنوی رموز العارفین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد رب العالمین

ہے سزاوار ثنا وہ کردگار — جس نے کی وحدت سے کثرت آشکار
ایک دانے سے عیاں خرمن کیا — ایک شعلے سے جہاں روشن کیا
ہے اسی کے نور کی ہر طرف سیر — کیا چراغ کعبہ و کیا شمع دیر
چوں[1] چراغے نور شمعے را کشید — ہر کہ دید آں را یقیں آں شمع دید
ہمچنیں[2] تا صد چراغ از عقل شد — دید آخر آں بقاے اصل شد
دیکھ تو کثرت میں وحدت کو ذرا — سو مقاموں میں یہ چھائی ہے نوا
کب صدا سے کوئی باہر ہے مقام — ہر مقاموں کو صدا ہی سے ہے کام
کیا رباب و ارغنون و چنگ پر — ہے صدا چھائی ہوئی ہر رنگ پر
حق[3] محیط جملہ آمد اے پسر — آں ندارد کارش از کار دگر

[1] جب کسی چراغ نے کسی شمع سے نور پایا ہے تو جس نے اس چراغ کو دیکھا تو یقینی اس شمع کو دیکھا ۱۲۔

[2] ایسے ہی اگر عقل سے سو چراغ جلے۔ اُسکے دیکھنے سے اصل چراغ کا پتہ چلتا ہے ۱۲۔

[3] اے لڑکے ذات حق سب پر محیط ہے۔ وہ دوسروں سے کام نہیں رکھتی ۱۲ آسی۔

گرچہ ہے سب کچھ اُسی کا یہ ظہور
پر کہا جاتا نہیں سایہ کو نور

نور اپنی جا ہے سایہ اپنی جا
نیک و بد میں فرق کرنا ہے بھلا

گر نہ ہوتا یہ تو بارے ایعزیز
کیوں خدا دیتا تجھے عقل و تمیز

ناحق اور حق کو ذرا پہچان تو
دل سے آ حق کی طرف کو ماں تو

بے مدد حق کے نہیں ہے گرچہ کام
پر بھلا تو جہد کرتا رہ مدام

گر گراں رو گر شتابندہ بود
ہر کہ جوئندہ است یابندہ بود

ہے وہ ایزد لائق حمد و سپاس
دل دیا عارف کو جس نے حق شناس

جس کو چاہا اُس کو کھینچا اپنی طرف
پر اُسے جسکو دیا تھا اتنا ظرف

کھینچ اپنی طرف للہی کیا
ملک عرفاں کی طرف راہی کیا

اپنا طالب جس کو جانا او رحبیب
معرفت کی دولت اُسکو کی نصیب

نعت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم

ہیں حبیب اور دوست احمد مصطفےٰ
بعد اُن کے انبیا اور اولیا

وہ محمد وارث کون و مکاں
جس کی خاطر یہ بنے دونوں جہاں

وہ محمد رحمۃ للعالمین
جس کا خادم ایک جبریل امین

نعت میں اُسکی کہوں کیا میں سخن
میں کہاں اور نعت اُسکی لے حسن

مدح جس کی خود کرے پروردگار
کیا ثنا اُس کی کہوں میں خاکسار

مرتبہ اُس کا یہاں تک ہے بلند
عقل کل کی واں نہیں لگتی کمند

شافع محشر ہے وہ خیر البشر
ہو درود اُس پر اور اُس کی آل پر

ساؔ اہ چاہے کوئی سرشتہ چلنے والا ہو اور چاہے ڈھونڈنے والا۔ جو ڈھونڈھتا ہے وہ پاتا ہے ۱۲ آسی ۔

وہ جو پیرو اُسکے ہیں اور دوستدار ‌ ‌ ‌ چار یار و چار یار و چار یار
اُن کا میں مداح ہوں یا ذوالجلال ‌ ‌ ‌ پنجتن کے فضل سے کر دے نہال

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

فکر و غم کی فکر سے آزاد رکھ ‌ ‌ ‌ دین و دنیا میں الٰہی شاد رکھ
مشکلیں سب خود بخود آسان کر ‌ ‌ ‌ فکر میں روزی کے مت حیران کر
دے فراغت اتنی اس دنیا میں تو ‌ ‌ ‌ ہو سکے عقبیٰ کی جس سے جستجو
عارفوں کی رمز سے آگاہ کر ‌ ‌ ‌ ملک درویشی کا مجھ کو شاہ کر
دے بصارت حق شناسی کی مجھے ‌ ‌ ‌ جس طرف دیکھوں تو میں دیکھوں تجھے
شاعری میں عمر میں کھوئی تمام ‌ ‌ ‌ میں نے عقبیٰ کا کیا ہرگز نہ کام
اپنی اس بیہودگی سے ہوں خجل ‌ ‌ ‌ شعر کہنے سے بھرا ہے میرا دل
جی میں ہے وہ جو ہوسے ہیں نیکنام ‌ ‌ ‌ کچھ لکھوں میں ان بزرگوں کا کلام
جس کے سننے سے ہو عقبیٰ کا حصول ‌ ‌ ‌ کوئی دم تو جاؤں اس دنیا کو بھول
جو پڑھے اور جو سنے سو شاد ہو ‌ ‌ ‌ عاقبت اندیشی اپنی یاد ہو
رووے کوئی اپنی غفلت پر ذرا ‌ ‌ ‌ حق کو پہچانے کوئی دم تو بھلا
بات حق کی گوش دل سے گر سنے ‌ ‌ ‌ اس گلستاں سے گل مقصد چنے
فکر کو ادھر کی چھوڑے ایک دم ‌ ‌ ‌ ٹک تو لاوے دل پر اودھر کا بھی غم
دل پہ لگ جاوے جو بات اس طرف کی ‌ ‌ ‌ میرے حق میں دے دعا شاید کوئی
گرچہ ہیں یہ درد کی باتیں لکھیں ‌ ‌ ‌ پر ثمر دیں گی خوشی کا یہ کہیں
از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست ‌ ‌ ‌ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

دھیان رکھو اس بات پر یعنی حسن | یادگاری کو لکھی ہے یہ سخن
حظ اُٹھاوے اس سے جو شاہ و گدا | چاہیے حق میں مرے دیوے دعا
ہو دعا شاید کسی کی کارگر | تا حصول اس سے مجھے کچھ ہو ثمر
عارفوں کی بسکہ رمزیں ہیں لکھیں | نام اس کا ہے "رموز العارفین"
جب بحر ادُر معانی سے یہ طشت | تھے ہزار و یک صد و ہشتاد و ہشت
تھا مہینہ نیک اور سال سعید | جب ہوئی تحریر یہ گفت و شنید
بشنوید[له] اے دوستاں ایں داستاں | خود حقیقت نقل حال ماست آں

دنیادار کا سوال فقیر کا جواب

ہے حکایت یوں کہ اک درویش تھے | عشق میں اللہ کے دلریش تھے
تھے وہ عاقل اور صاحب حال تھے | واصل حق اور نیک اعمال تھے
چھوڑ کر دنیا ہوئے تھے وہ فقیر | عشق کو مرشد سمجھ کر دل کو پیر
حق کے در پر تھے وہ بیٹھے سرمنڈا | اہل عرفاں میں تھا اُن کا سلسلا
رشتۂ اُلفت کی تھی سیلی پڑی | آہ دردآلود کی رکھے چھڑی
خرقہ و جُبّہ فقط ظل اللہ | قبۂ افلاک کی سر پر کلاہ
دل کا اک کچکول تھا آگے دھرا | آرزو سے اس کی رہتا تھا بھرا
سرّ حق سے وہ غرض آگاہ تھے | دیکھنے کو تھے گدا پر شاہ تھے
ایک دنیادار نے القصہ جا | چاشنی فقر کا پوچھا مزا
یعنی اے حضرت بتاؤ مجھ کو تم | جاگتے جیتے ہوئے دنیا سے گم

له اے دوستو اس داستان کو سنو۔ خود وہ ہمارے حقیقت حال کی نقل ہے ۱۲ آسی۔

حق نے یہ دنیا جو کی ہے کس لیے — اُس سے سب لذت اُٹھاویں اس لیے
نعمتیں جو حق نے کی ہیں آشکار — پیویں کھاویں اُن کو جو ہیں ہوشیار
بندگی کر رکھ شریعت میں قدم — دین کر دنیا میں حاصل دمبدم
ہے سوال اپنا یہ اے عالی جناب — دے حقیقت کے مزے کا کچھ جواب
کیا مزا ہے اُس میں اور کیا رنگ ہے — یار رے اُس عالم میں کیسا ڈھنگ ہے
سُن کے اُس درویش نے کیا برمحل — یوں حقیقت پر سنائی اک مثل
یعنی سُن اس بات کو یار عزیز — اپنے دل میں ٹک سمجھ گر ہے تمیز
شرع کے معنی حقیقت تو نہیں — پر کہاں یہ فہم ہر اک کے تئیں
فی الحقیقت گر حقیقت کا بیاں — میں کہوں تو کیا کہوں اے مہرباں
تلخ یا شیریں مزہ ہو تو کہوں — یہ حقیقت ہے نہاں چپ ہو رہوں
نقل کیا اک برمحل پہونچی ہے آ — گوش دل سے سن لے تو اس کو ذرا

حکایت بہ سبیل تمثیل

خوشتر[۵] آں باشد کہ سرّ دلبراں — گفتہ آید در حدیثِ دیگراں
اک محلے میں تھیں کتنی لڑکیاں — کھیل میں باہم تھیں وہ سب رہتیاں
گڑیاں کھیلا کرتی تھیں آپس میں وہ — تھیں بہم اس بات پر ہم قسمیں وہ
یعنی ہم میں سے بیاہی جائے جو — کھیل کی باتوں سے وہ غافل نہ ہو
جب چھٹیں سسرال سے میکے میں آ — ہاتھ سے جانے نہ دیں ہم یہ مزا
ہم قسم باہم ہوئیں اس قول پر — کتنی مدت جب گئی اُس پر گزر

[۵] یہ اچھا ہے کہ معشوقوں کے حال کو دوسروں کی باتوں میں بیان کیا جائے ۱۲۔ آسی

ناگہاں اُن میں سے شادی ایک کی
اتفاقاً اُن دنوں میں ہو گئی

بعد کتنے دن کے وہ سسرال سے
آئی میکے میں عجائب حال سے

رسم سے نوشہ کے جام وصل سے
جی میں خوش او شاد کام وصل سے

اور چتون اور عالم اور ہے
اور ہی شادی کچھ اور غم اور ہے

دھیان گڑیوں سے نہ مطلب کھیل سے
کچھ خبر مستی سے اور نہ کچھ تیل سے

خُرد سالی کی وہ باتوں سے نفور
لڑکیوں ہمجولیوں سے دور دور

دیکھ کر تب ایک نے یہ اُسکا حال
جا کیا گوشے میں یہ اس سے سوال

کیوں بہن کیا تھا ہم قول و قرار
کیوں بھُلایا کھیل کا دار و مدار

اُس مزے سے ہم کو بھی آگاہ کر
تلخ ہے شیریں ہے کہدے سر بسر

گڑیوں کے بھی کھیل سے کیا ہے عزیز
بیاہ کہتے ہیں جسے وہ کیا ہے چیز

تب کہا اُس گھر بسی نے اے بہن
کہنے کے لائق نہیں ہے یہ سخن

تلخ و شیریں ہو تو بولوں ماجرا
جیبھ پر اُس کا نہیں آتا مزا

بات ہے باہر بیاں سے اُس کی تو
جی ہی جانے ہے یہاں پر گو مگو

بیاہ جب یوں ہی تمھارا ہووے گا
جب مزا معلوم سارا ہووے گا

تم بھی تب یہ کھیل بھولو گی تمام
اور ہی کچھ کھیل ہوگا والسلام

اصل کو پہچان سے تو نقل سے
کر ذرا دریافت اس کو عقل سے

کھیل گڑیوں کا ہے یہ دنیا سبھی
جب پڑے اُس گھر میں تو جانے تبھی

اب کسے اُس کھیل میں بننا ہے غرق
جھوٹ اور سچ میں سمجھ کتنا ہے فرق

کھیل گڑیوں کا تو ہے یہ تب تلک
گھر میں دلہا کے نہ جائے جب تلک

گڈے اور گڑیوں کا اب کس کو مزا
کچھ کا کچھ یاں کھیل اور ہی ہو گیا

جب مجازی کا نہ ہو بازار و بیاں ۔ پھر حقیقت کس طرح سے ہو عیاں
گو مثل یہ ہے مجازی اے عزیز ۔ پر حقیقت کو یہیں سے کر تمیز
تجھ کو اس عالم کی گر ہے آرزو ۔ دین اور دنیا اکٹھا رکھ ایک سو
کفر کافر را و دین دیندار را[1] ۔ ذرّهٔ درد دل عطار را
درد ہے اور درد ہے اور درد ہے ۔ سب کچھ اس لذت کے آگے گرد ہے
جا مجازی میں قدم پہلے تو رکھ ۔ پھر حقیقت کا مزہ من بعد چکھ
درد سے آگاہ ہو پہلے عزیز ۔ پھر حق و ناحق کے غم کو کر تمیز
جا بتوں سے پہلے اپنا دل لگا ۔ دیکھ تو کرتا ہے پھر کیا کچھ خدا
پہلے ان کی دیکھ لے محبوبیاں ۔ تاکہ ہوویں ان کی ظاہر خوبیاں
بیوفائی ان کی جب ہو آشکار ۔ ان گلوں سے تیرا دل ہو خار خار
پھر سمجھ تو کچھ کہ دنیا کچھ نہیں ۔ گرچہ ہے سب کچھ پر اپنا کچھ نہیں
سب سے کر دل خالی اور رہ میں جدا ۔ دل میں اپنے کچھ نہ لا غیر از خدا
دل ہے مرشد اور دل ہے راہبر ۔ دل سے اپنے بھی رکھا کر کچھ خبر
سب تو اپنے دل سے باہر کر ہوس ۔ یہ سخن رکھ یاد مجھ سے اور بس
سچ کہا ہے مولوی نے لے حسن ۔ ہوش ہے تو گوش میں رکھ یہ سخن
گوش خر بفروش و دیگر گوش خر[2] ۔ ایں سخن باور ندارد گوش کر

سبب چھوڑنے ابراہیم ادھم کا سلطنت کو

بات آئی یاد اور عبرت فزا ۔ اس کو لکھتا ہوں مفصل چند جا

[1] کفر کافر کو دے اور دین دیندار کو مگر اک ذرا سا درد عطار کے دل کو دیدے ۱۲
[2] یہ تیرے جو گدھے کے سے کان [illegible] اور دوسرے کان خرید کر [illegible]

تھا جو ابراہیم ادھم بادشاہ
صاحب تاج و سریر و عز و جاہ

مالک ملک بخارا و بلخ
حاکم افواج چون مور و ملخ

دولت و حشمت[۱] ز اندازہ برون
کثرت اولاد ہم از حد فزون

دن کو صحبت با ندیم نادار
رات کو خلوت میں اُسکی گل عذار

کچھ نہیں اعداء سے رکھتا تھا خطر
جس کو چاہے خود کرے زیر و زبر

اس عظیم السلطنت کو چھوڑ کر
دشت پیما کیوں ہوا دل توڑ کر

چھوڑ کر یہ اختیار و اقتدار
کر دیا کیوں آپ کو خود خاکسار

کون سی دل کو لگی تھی اس کے چوٹ
ہو گیا کس چوٹ سے دل لوٹ پوٹ

باعث[۲] آں بر سہ عنوان گفتہ اند
بر سہ عنوان دُرِ معنی سفتہ اند

تین ہی باتوں پہ حصر اُن کا بیاں
کر گئے ہیں راویانِ باستاں

ایک تھی سلطانِ ادھم کی کنیز
با وفا و باحیا و با تمیز

ہر زماں وہ دست بستہ با ادب
رہتی تھی خدمت میں شہ کی روز و شب

گرچہ وہ لونڈی تھی از بس عاقلہ
پڑ گیا اک دن قضا نے غافلہ

از قضا[۳] کس را نہ باشد چارۂ
ایں خطا سر زد ازاں بیچارۂ

تھا جو شہ کی استراحت کا پلنگ
اُس کے رو پر جا کے لیٹی بیدرنگ

چل رہی تھی اُس گھڑی باد صبا
اُس پہ آخر نیند نے غلبہ کیا

خوابِ غفلت میں وہ ایسی آ گئی
کچھ نہ سدھ بدھ اپنے تن من کی رہی

[۱] اس کی دولت اور حشمت اندازے سے باہر تھی۔ اور اولاد کی کثرت بھی ایسی ہی تھی ۱۲

[۲] اُسکے تین سبب بتائے گئے ہیں۔ اور تین عنوانوں سے اس داستان معنی کو بیان کیا ہے ۱۲

[۳] تقدیر کے سامنے کچھ چلتی نہیں۔ اُس غریب سے بھی یہ خطا سرزد ہوئی ۱۲ آسی ۔

لیکن اک دم بھر نہ سوئی تھی وہ آہ — آن پہونچا سر پر اُس کے بادشاہ

ایں خطائے ناپسندیدہ چو دید[۱] — از غضب لب زیر دنداں برگزید

حکم پھر ارباب خدمت کو دیا — اس خطا کی جلد دو اُس کو سزا

ہر طرف سے اُس پہ گو پڑتی تھی مار — مار پر ہنستی رہی پہ بے شمار

مار پر اس طور سے ہنستی رہی — خندہ زن ہو جس طرح کبک دری

دیکھ کر یہ حال ورد ہر زباں — الاماں تھا الاماں تھا الاماں

شہ نے یہ طرفہ جو دیکھا ماجرا — دل میں کہتا تھا کہ ہے کیا ماجرا

گفت[۲] آخر راست گو اے نیک زن — در چنیں حالت چرائی خندہ زن

سچ بتا کیا دل میں تیرے ہے بھرا — مار پر ہنستی رہی کیوں برملا

ضرب[۳] جائے گریہ و غم دیدن است — یارلے بہجت و خندیدن است

گفت[۴] شاہا بندہ ام فرماں پذیر — آنچہ می خندم بگویم ناگزیر

راستی کا دم جو رکھتی تھی شعار — راست ہی اُس نے کیا یوں آشکار

اس بچھونے پر میں سوئی ایک دم — اس لیے کھینچے ہیں کیا کیا رنج و غم

جو کہ سویا ہوگا ہر صبح و مسا — حال اس کا ہوگا کیا روز جزا

خواب[۵] یک دم داد بر من ایں تعب — وائے بر آں کس کہ خوابید روز و شب

---

۱ بادشاہ نے جو اسکی یہ قبیح خطا دیکھی تو غصے میں ہونٹ چبانے لگا ۱۲۔

۲ بادشاہ بولا اے نیک بخت سچ سچ بتا۔ تو ایسے حال میں ہنس کیوں رہی ہے ۱۲۔

۳ چوٹ لگنے سے آدمی کو رونا آتا ہے نہ کہ خوشی ہوتی اور ہنسی آتی ہے ۱۲۔

۴ وہ بولی اے بادشاہ میں تو آپکی تابعدار و فرمانبردار ہوں جس لیے میں سچ ہی بولوں مجبوراً عرض کرتی ہوں

۵ اس بستر پر دم بھر کے سونے نے مجھکو یہ رنج دیا۔ افسوس اُس پر جو شب و روز اس پر سوتا ہے ۱۲ آگے

باعثِ خندیدنم ایں ظاہر است [1]
ور سرم خواہی تو اینک حاضر است

شہ نے یہ عبرت زدہ سن کر بیاں
لی پکڑ انگشت حیرت در دہاں

پہلے ان باتوں پہ شابش کر گئے
پھر تو روئے اسقدر غش کر گئے

شاہ ادھم پہ جو گزرا رنج و غم
کر نہیں سکتا ہے راقم کچھ رقم

[2] بگذرد بر ہر کہ باید پرس ازو
دیگرے ہرگز نہ گوید مثل او

[3] روز شد آخر دریں گفت و شنفت
شب چو آمد یک گلِ دیگر شگفت

[4] باز وقت شب چو از غوغائے عام
گشت فارغ آں شہ عالی مقام

قصرِ عالی استراحت کا جو تھا
لے گئے تشریف اس میں بادشاہ

ماجرائے روز سے تھا گو اداس
لیک اس دم آگئی اس کو نعاس

کچھ شکر خوابی تھی لیکن چشم وا
کان میں پہونچی کہیں آواز پا

غیظ میں آ کر ہوا نعرہ زناں
کانپ اٹھا گویا زمین و آسماں

بعد اس کے پھر ٹھہر کر لمحہ بھر
اس نے للکارا برنگِ شیر نر

[5] ہیں بگو تو کیستی اے مرد کا
چوں نہادی تو قدم بر بام ما

عرض کی اس نے کہ اے شاہ جہاں
ہوں شتر گم کردہ پیر ناتواں

ڈھونڈتا پھرتا ہوا اونٹ اپنے کو
آن پہونچا یاں بھی بہر جستجو

---

[1] میرے ہنسنے کا سبب تو یہ ظاہر ہے اور اگر تو میرا سر کاٹنا چاہتا ہے تو یہ سر حاضر ہے ۱۲۔

[2] جس پر گزرتی ہے اس سے پوچھو دوسرا اس کی طرح کیا بیان کرے گا ۱۲۔

[3] دن تو اسی کہنے سننے میں تمام ہو گیا۔ جب رات ہوئی تو ایک نیا شگوفہ کھلا ۱۲۔

[4] پھر رات کے وقت جب غل غپاڑے عام سے وہ شاہ عالی مقام فارغ ہوا ۱۲۔

[5] ہیں بتا اے مردک تو کون ہے۔ تو نے محل خانہ شاہی پر قدم کیسے رکھا ۱۲ آسی۔

بینم[۱] آخر تا چہ خواہد کردگار ۔ یا بیابم یا نہ یابم زینہار

گفت[۲] شہ خود عذر تو اے روسیاہ ۔ بدتریں از بدترین است ایں گناہ

یعنی تیرا عذر جو لایا ہے تو ۔ بدترین ہے جرم سے کبھی حیلہ جو

گردہ[۳] باشی گم شتر در کوچہا ۔ جستجوئے می کنی بر بام ما

یا بیاباں میں ہوا مفقود اونٹ ۔ یا خیاباں میں ہوا مفقود اونٹ

تو[۴] کہ می جوئی شتر بالائے بام ۔ ہیچکس باور نہ دارد ایں کلام

ہیچ[۵] نشناسی تو از بالا و پست ۔ اشترت را کس چساں اینجا بہ بست

گفت[۶] اے شہ ہوش کن چنداں مجوش ۔ منصفی شرط است بشنو تو زگوش

بہر[۷] من صد طعنہ داری شہریار ۔ خویش را دانا شماری شہریار

آں[۸] زماں واقف شدی بر عیب خود ۔ سر بیندازی اگر در جیب خود

یعنی منصف ہو کے سب سن گفتگو ۔ پھر بتا ہوں راستی پر ہیں کہ تو

آپ کو ہے حرص تخت و تاج کی ۔ آز ہے ملک و خراج و تاج کی

---

۱ اب میں دیکھتا ہوں کہ خدا کیا چاہتا ہے میں اپنے اونٹ کو پاتا ہوں یا نہیں پاتا ہوں ۱۲۔

۲ بادشاہ نے از راہ نفرین کہا کہ اے روسیاہ تیرا یہ عذر کسقدر کمزور ہے اور تیرا یہ گناہ بد سے بدتر ہے۔

۳ کہیں گلی کوچے میں تیرا اونٹ گم ہوا ہوگا اور آیا ہے ہمارے بالاخانے پر تلاش کرنے ۱۲۔

۴ تو جو کوٹھے پر اونٹ تلاش کر رہا ہے۔ کوئی اس بات کو مان نہیں سکتا ۱۲۔

۵ تجھے نیچے اونچے کی کوئی تمیز ہی نہیں بھلا تیرے اونٹ کو یہاں کسی نے کس طرح باندھا ۱۲۔

۶ وہ بولا جہاں پناہ اتنا غصہ نہ کیجیے ذرا ہوش میں آئیے انصاف شرط ہے ذرا غور سے سنیئے ۱۲۔

۷ جہاں پناہ مجھے تو طعنے دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا ہوشیار سمجھتے ہیں ۱۲۔

۸ آپ کو اپنے عیب کی جب خبر ہوگی جب اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں گے ۱۲ آسی۔

اشتہائے خوش غذا و آب یخ　　آرزوئے جامۂ کمخواب و نخ

آرزو ہے ہم رخان سیمبر　　ہم ہوا سے گوہر و یاقوت و زر

شوق داری باظریفان جہاں　　ذوق داری با ظریفان جہاں

طامع ملک قم و قپچاق و رے　　طالب تسخیر روم و روس و رے

بلکہ ہفت اقلیم کا سب بحر و بر　　خواہش خاطر ہے پاؤں سر بسر

ہے ہوس یہ ہی کہ جب ہم ہوں سوار　　ہمرکاب خاص ہوں لاکھوں سوار

سُم سے اُن کے خاک پا سرمہ بنے　　گر اُڑے سمجھے عبیر و بید مشک

اور عمر خضر کا ہے اشتیاق　　غیر ممکن گو ہے اس کا اتفاق

ماسوا اس سب کے اور کتنے سو ہوا　　آپ کو میں کیا کہوں جز ریش گاؤ

دل میں مجموعہ بھرا ہے حرص کا　　چاہتے ہو اس میں مل جائے خدا

دل پُر از حرص و ہوا و آرزو　　کو کجا گنجد خدا را جستجو

حُب دنیا داری و حُب خدا　　ہست زعمت پُر خطا و پُر خطا

مال و زر ہیں تو خدا کو پاسے گر　　میں بھی پاؤں گا شتر کو بام پر

گشت کارت گر بہ مقصودت تمام　　مطلب من ہم بیابد انصرام

ـــــ

۱ عمدہ غذا اور ٹھنڈے پانی کی خواہش ریشمی اور کمخواب کے کپڑوں کی آرزو ۱۲

۲ خوبصورت معشوقوں کی آرزو جواہرات اور زر کی تمنا ۱۲ ۳ اچھے خوش مذاق ندیموں سے آپ ہم صحبت رہتے ہیں نکتہ رس اور زیرک آپ کے پاس جمع رہتے ہیں ۱۲ ۴ مشہور ملکوں کی طمع روم، روس اور رے کی تسخیر کی فکر ۱۲ ۵ [illegible] ہوس ہے تو دل پُر ہو رہا ہے پھر اس میں خدا کی گنجائش [illegible] ۱۲ [illegible]

۶ دنیا کی بھی محبت اور خدا کی بھی طلب یہ آپ کا خیال خام اور سراسر خطا ہے ۱۲ [illegible]

۷ اگر آپ کا کام آپ کے مطلب کو پہنچ سکتا ہے تو میرا کام بھی ہو سکتا ہے اور اونٹ کوٹھے پر چڑھ سکتا ہے

گر خدا[1] خواہی تو در عیش و طرب / من شتربا ہم بہ بامست چہ عجب
ہم خدا[2] خواہی و ہم مال و منال / ایں محالست ایں محال ست ایں محال
لیکن اے شہ تیری خاطر یہ دعا / مانگتا ہوں اور مانگوں گا سدا
جبکہ ہووے جان شہ اس تن سے غیر / ہووے یارب خاتمہ شہ کا بخیر
اور خدا تیرا کرے انجام نیک / تا دو عالم میں ہو تیرا نام نیک
جب سنا شہ نے یہ سارا مدعا / اور اس نے گوش زد کی سب دعا
گفت[3] شہ اے نیک فرخندہ قدم / من مرید تو شدم تو مرشدم
از خطایم[4] در گزر اے مرد پیر / دستگیری کن مرا شو دستگیر
ایں مثل[5] مشہور ہست اے مرشدا / از بزرگاں عفو و از خرداں خطا
من[6] ازیں دم روز ہر سو تافتم / یافتم تو آنچہ گفتی یافتم
پھر کہا دل نے کہ ہے کیا سوچتا / دوڑ جا پاس اس کے اس دم دوڑ جا
بیعت اس سے کیوں نہیں کرتا ابھی / اس سے بہتر پھر نہ پاوے گا کبھی
دست بیعت کو وہ شہ جوں ہم گیا / دیکھے کیا وہ شخص واں سے مر گیا
شاہ کا اب سر پٹکنا کیا کہوں / خون کا آنکھوں سے ٹپکنا کیا کہوں

---

[1] اگر تو باوجود اس عیش و طرب کے خدا کی تلاش میں ہے تو اگر تیرے کوٹھے پر اونٹ کو پا لے تو کیا تعجب ہے ۱۲
[2] تو خدا کو بھی ڈھونڈتا ہے اور مال و منال کی بھی تجھے خواہش تو یہ بالکل محال ہے ۱۲
[3] بادشاہ نے کہا اے بزرگ مبارک قدم میں تیرا مرید ہو گیا اور تو میرا پیر و مرشد ہے ۱۲
[4] اے بزرگ ہستی میری خطا معاف کر دے اور میری مدد کر میرا مددگار بن ۱۲ آسی۔
[5] اے میرے مرشد یہ مثل مشہور ہے کہ چھوٹے خطا کرتے ہیں اور بڑے معاف کرتے ہیں ۱۲
[6] میں نے اس وقت سے ہر طرف سے منہ پھیر لیا اور جو کچھ تو نے کہا اسکو سمجھ لیا ۱۲ آسی۔

سانحہ اس شب کا لکھوں کیا بھلا　　شاہ پر گزرا سو بولوں کیا بھلا
گاہ[1] در فریاد و زاری درگذشت　　گاہ در اختر شماری درگذشت
ہو گئی القصہ ساری شب تمام　　صبح نے اور ہی کیا کچھ انتظام
ہو گئی جب صبح صادق آشکار　　شہ کے دل میں بسکہ تھا شب کا غبار
ناگہاں مرکوز خاطر یوں ہوا　　جا کے بہلاؤں کہیں جی کو بھلا
پھر تو صحرا کی طرف وہ تاجدار　　جی کو بہلانے چلا ہو کر سوار
جب وہاں سے اسپ کو مہمیز کی　　راہ میں کیا دیکھتا ہے اس گھڑی
ایک اشتر فربہ و اعضا درست　　پا کشیدہ خاک پر خوابیدہ سست
یعنی دیکھا اک شتر خوابیدہ واں　　اور سرہانے اسکے بیٹھا ساربان
شاہ[2] دانست ایں شتر ہم زندہ است　　ہم بقید زندگی خوابندہ است
نعرہ[3] زد با ساربان کالے قلتبان　　زود تر از راہ اشتر را بران
یوں کہا اس نے کہ اے شاہ جہاں　　ہو رواں کیسے شتر وہ ہے کہاں
وہ کہاں شئے جس سے تھا یہ اہرو　　وہ کہاں شئے جس سے یہ کرتا تھا دَو
ہے نہیں کچھ اس میں اب تاب و تواں　　ہو نہیں سکتا ہے یہ ہرگز رواں
ہو گئے بیکار سب اس کے قوا　　کب ہلا سکتا ہے اپنے دست و پا
کیا کہوں حضرت سے اب میں اس کا حال　　کر گیا ہے اس جہاں سے انتقال
الغرض تھی آئی اسدم اس کی موت　　ہو گیا اک دم میں بیٹھے بیٹھے فوت

[1] کبھی فریاد و زاری میں وقت کاٹا اور کبھی اختر شماری کر کے رات گزاری ۱۲ آسی
[2] بادشاہ نے نظر دیکھا کہ یہ اونٹ بھی زندہ ہے اور زندہ ہونے کی حالت میں سو رہا ہے ۱۲ ۔
[3] اونٹ والے کو ڈانٹ کر کہا کہ او بد ذات جلد اونٹ کو راستے سے ہٹا ۱۲ آسی ۔

تا مقدور اس کی کی ہیں نے دوا ‏— پر کسی ڈھب سے نہیں پائی شفا
موت تو ہرگز نہیں درماں پذیر ‏— جانتے ہیں اس کو سب برنا و پیر
موت کی جو شہ نے پائی آگہی ‏— جان سے گویا ہوا قالب تہی
پھر تصوّر موت کا اپنی کیا ‏— سامنے آکر بہ فرمانِ خدا
یوں کہا اُس نے کہ ہوں میں عنقریب ‏— جلد کر ساماں سفر کا اے غریب
موت سے جس دم سُنا یہ برملا ‏— تازیانہ ایک عبرت کا لگا
ادھم بیچارہ نے بس تیز گام ‏— راہ صحرا کی چو اسپ بے لگام
جو ہوا اک دشت میں اس کا گزار ‏— واں ہوئے دو دست قدرت آشکار
ملہم غیبی نے پھر یوں دی صدا ‏— کہ یداللہ فوق ایدیہم جو تھا
اُس اشارے کا ہے یہ شانِ نزول ‏— دست اپنا دے دستِ بیعت کر قبول
الغرض جب شاہ بیعت کر چکا ‏— منکشف سب ہو گیا ارض و سما
در ہماں[۱] دم واصل اللہ شد ‏— از رموزِ عارفاں آگاہ شد

پوچھنا کسی کا سبب ڈبونے مال کا اور جواب ابراہیم ادھم کا

کہتے ہیں ادھم ہوئے جس دم فقیر ‏— چھوڑ سلطانی کا سب تاج و سریر
مال و زر جتنا خزانے بیچ تھا ‏— لے کے دریا میں ڈبا سارا دیا
پوچھا اک نے کیا کیا یہ اے ملک ‏— کیوں نہ ہر اک کو دیا یہ اے ملک
در جواب اس کو کہا یہ مال و زر ‏— مایۂ بغض و حسد نخوت کا گھر
یوں سُنا میں نے بزرگوں سے کلام ‏— جانتے ہیں اس مثل کو خاص و عام

[۱] اُسی وقت خدا سے واصل اور رموز معرفت سے آگاہ ہوئے ۱۲ آسی۔

آپ پر جو چیز ہووے ناپسند — غیر پر بھی اسکو مت رکھنا پسند
آنچہ مپسندی بخود اے شیخ دیں[1] — چوں لپسندی بر برادر بر عمیں
حظ اٹھانا ٹن کے تو اس نقل سے — عہد میں سلطان ابراہیم کے

حکایت ابراہیم ادھم و پیرزن گریاں کی

کہتے ہیں ایک پیرزن تھی عابدہ — طاعتِ حق میں نہایت زاہدہ
یعنی حق کی بندگی کرتی مدام — اُس عبادت پر تھا رونا اس کا کام
عمر سے اپنی کیا کرتی بُکا — اُسکے رونے سے اثر ہر دل پہ تھا
سن کے یہ احوال اُس کا بادشا — ایک دن اُسکی زیارت کو گیا
جانماز اوپر اُسے دیکھا کھڑے — سر سے پا تک اشک کے موتی پڑے
جب عبادت سے ہوئی فارغ وہ زن — شاہ نے اس سے کہا تب یہ سخن
اتنا تو رویا نہ کر اے پیرزال — رحم کر آنکھوں کا اپنی دیکھ حال
گریہ رونا ہے تو پھر آنکھیں نہیں — کر نہ وے تاریک آنکھوں کے تئیں
پیرزن نے جب سنی شہ سے یہ بات — در جواب اس کے کہا اے نیک ذات
چشم فردائے قیامت میں اگر — دوست کا دیدار دیکھیں پھر نظر
تو تو کوری کا نہیں دنیا کا غم — سہل ہیں یہاں کے یہ سب رنج و الم
اور رہیں محروم اس دیدار سے — تو تو ہیں یہ رخنۂ دیوار سے
حشر میں گر منھ نہ دیکھیں یار کا — تو تو اُس کا کور ہی رہنا بھلا
ایسی بینائی کسے درکار ہے — ایسی بینائی سے دل بیزار ہے

[1] اے شیخ دین جو تو اپنے لیے پسند نہ کرے وہ دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کر ۱۲ آسی۔

چشم سے منظور ہے دیدارِ دوست
ورنہ اک بادام کا سا ہے یہ پوست

سن کے ابراہیم ادھم بادشاہ
دل میں یوں کہتا اٹھا بارہ آہ

شکر کرتا ہوں زمانے میں مرے
ایک اک ایسے بھی ہیں طالب ترے

طالبِ مولا حسن کیا لوگ ہیں
ہیں وہ اعلیٰ اور ادنیٰ لوگ ہیں

اے برادر یک دم از خود دور شو [۵۱]
با خدا او غرقِ بحرِ نور شو

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش [۵۲]
ہمچو او در گریہ و آشوب باش

پوچھنا کسی کا حال وقات گزاری کا۔ جواب ابوالحسن خرقانی کا

ایک نے یہ بات پوچھی یار سے
تھے مجرد سے قبیلہ دار سے

بوالحسن خرقانی اس کا نام تھا
فکر میں روزی کے بے آرام تھا

یعنی کیا ہے حال و گزران اب
کس طرح کٹتے ہیں کہہ اوقات سب

بوالحسن نے یوں کہا تب بھر کے آہ
پوچھ مت بھائی مرا حالِ تباہ

وائے اُس پر اسکا کہہ کیا ہوگا حال
جسکے ہووے گرد ان باتوں کا جال

فرض اپنا اک طرف چاہے خدا
واجب اور سنت کو مانگے مصطفیٰ

اک طرف اطفال مانگیں آ کے نان
اک طرف چاہیں فرشتے ہم سے جان

تس پہ کٹتی جائے ہر دم عمر آہ
اور بڑھتا جائے ہر لحظہ گناہ

اس شتت اور تفکر میں بھلا
کوئی آسودہ ہو اب دنیا میں کیا

فضل کیجیو تو حسن پر اے خدا
ہے بہت نازک یہاں کا ماجرا

---

۵۱ اے بھائی دم بھر کے لیے خودی سے دور رہو اور خدا کے قریب ہو کر غرقِ نور ہو جا ۱۲۔

۵۲ جب تو یوسف نہیں ہے تو یعقوب بن جا اور یعقوب کی طرح نالہ و بکا میں مشغول ہو ۱۲ آسی

کنویں پر پیاسا رہنا ابراہیم ادھم کا اور سیراب ہونا ہرنوں کا

نقل ابراہیم ادھم کی جو تجھے
یاد آئی پڑھ سناؤں میں سب تجھے

فقر کے عالم میں تھا صحرا نورد
خاکساری میں رواں تھا مثل گرد

اک بیاباں میں لگی اُس کو پیاس
دور سے دیکھا کنواں اک کھیت پاس

کی نظر ادھم نے جو اُس چاہ پہ
پانی کو دیکھا تو ہے گا دور تر

واں نہ رسّی ہے نہ اُس پہ ڈول ہے
ہے نہ لوٹا اور نے کچکول ہے

دل میں یہ خطرہ پڑا ادھم کے تب
یعنی گر ڈلو اور رسن ہاتھ آئے اب

تو تو ہم پانی کو لیں یاں سے نکال
ورنہ پانی یہاں سے پینا ہی محال

یہ تو یہاں چاہا کیے ڈلو اور رسن
اُس طرف سے آئے جو پیاسے ہرن

جو نہیں آئے اُس کنویں پر آہوان
وہیں پانی سے بھرا منھ تک کنواں

پی کے پانی وہ ہوئے سیراب جب
آسماں کو دیکھ کر بھاگے وہ سب

وہیں ابراہیم نے چاہا شتاب
اُس لبالب چاہ سے اب پیجے آب

تھا جہاں آب آکے پھر واں رہ گیا
ادھم بیچارہ حیراں رہ گیا

یوں کہا بے تاب ہو بارِ الٰہ
ہووے ہرنوں کے لیے لبریز چاہ

اور ابراہیم کی خاطر وہ آب
جاوے یوں تحت الثریٰ کے تیں شتاب

اتنے میں ادھم کو پہونچی یوں ندا
آہوؤں کا کب عقیدہ سُست تھا

تھے کرم کے میرے وہ امیدوار
ڈول رسّی پر نہ تھا اُن کا مدار

تیری تو دلو و رسن پر تھی نظر ۔۔۔ جا کے رسی ڈول سے پانی کو بھر
آہوؤں نے کی تھی آ مجھ سے طلب ۔۔۔ ڈھونڈتا پھرتا تھا تو اس کا سبب
جب ندا پہونچی یہ ابراہیم کو ۔۔۔ مار کر نعرہ گرا بے ہوش ہو
بس یہ لازم ہے سبھوں کو دوستاں ۔۔۔ دے اگر توفیق خلاق جہاں
تو نہ رکھیں چاہیے اہل مراد ۔۔۔ غیر حق ہرگز کسی پر اعتقاد

آنا خوان کھانے کا ابراہیم ادھم کو پہاڑ پر

بادشاہت چھوڑ جب ادھم چلے ۔۔۔ کوہ و صحرا کی طرف کو شہر سے
بیٹے کو اپنا کیا قائم مقام ۔۔۔ بادشاہت وہ لگا کرنے تمام
آپ نے پھر راہ صحرا کی غرض ۔۔۔ مال دنیا سے نہ کچھ رکھی غرض
ساتھ اک پیالہ لیا اور بوریا ۔۔۔ ایک مسواک اور اک تکیہ لیا
ایک سوزن خرقہ سینے کے لیے ۔۔۔ بس یہ اسباب ضروری سے لیے
شہر سے باہر نکل جو کی نظر ۔۔۔ سوتے دیکھا ایک کو واں خاک پر
بوریا پھینکا وہاں اور یہ کہا ۔۔۔ خاکساروں کو زمیں ہے بوریا
آگے جا دیکھا تو اک بیچارہ آب ۔۔۔ اوک سے پیتا ہے بیٹھا بے حجاب
ہاتھ سے پیالے کو بھی توڑا وہیں ۔۔۔ یعنی پی لیویں گے ہم پانی یونہیں
آگے دیکھا ایک سوتا ہے غریب ۔۔۔ ہاتھ کو رکھے سرہانے بے نصیب
تکیہ بھی چھوڑا فضولی جان کر ۔۔۔ یعنی اک یہ بھی ہے مجھ پر بار سر
آگے جا کر دیکھا تو اک نیک خو ۔۔۔ انگلیوں سے مانجتا تھا دانت کو
ہاتھ سے مسواک بھی تب پھینک دی ۔۔۔ پاس اپنے ایک سوزن ہی رکھی

سیر کرتے کرتے اس شہ کا گزر
ایک دن جا کے ہوا اک کوہ پر

آدمی واں تھا نہ واں حیوان تھا
یا تو تھا وہ کوہ یا میدان تھا

دور سے اک جھونپڑی آئی نظر
دیکھا اک درویش کو اس کوہ پر

کر کے عشق اللہ پھر بیٹھے وہاں
بیٹھنا شہ کا ہوا اُس پہ گراں

بولا وہ درویش اے درویش تو
رات کو رہنا نہ یاں دلریش تو

یاں نہ دانہ ہے نہ پانی ہے کہیں
مصلحت تیرا یہاں رہنا نہیں

تب یہ بولے اس سے اے کم حوصلا
رزق کا ہرگز نہ کریو تو گلا

تیرا میں مہماں نہیں اے تکیہ دار
جس کا مہماں ہوں وہی ہے غمگسار

جس نے دی ہے جان وہ دیویگا نان
گر نہیں باور تو کر لے امتحان

خواجہ پندارد کہ روزی دہ دہد[۱]
ایں نہ پندارد کہ روزی دہ دہد

جو کسی کے پاس آتا ہے عزیز
قسمت اپنی ساتھ لاتا ہے عزیز

ہے خدا سب کا نہیں کرتا شریک
رزق میں باہم کسی کو لاشریک

دیکھ آتے مت کسی کو سہم جا
اُس کی قسمت کا ہی ساتھ اُسکے دھرا

کہہ کے یہ ہٹ اور وہاں سے جا رہے
سامنے تکیے کے جا ستا رہے

شام کو اک لوٹا اور دو روٹیاں
تکیے والے پہ وہاں کے اُتریاں

اور شہ کے واسطے خوانِ طعام
اک پلاؤ کی رکابی ایک جام

ظرف چینی اور اُن پر خوان پوش
تھا تکلف سے بھرا سامانِ نوش

کھا کے ابراہیم نے پانی پیا
شکر نعمت کا پھر اک سجدہ کیا

یہ تو نعمت لے کے سب چلتے رہے
وہ جو تکیے دار تھے جلتے رہے

۱؎ زمیندار کا خیال ہے کہ روزی گاؤں کی وجہ سے ملتی ہے یہ نہیں سوچتا کہ روزی دینے والا دیتا ہے ۱۲ آسی

شام جب آئی وہی پھر اُتر یاں — ساتھ اک لوٹے کے واں دو روٹیاں

مارے غصّے کے اُنھوں نے یوں کہا — میں نہیں کھانے کا کھانا آپ کا

ایک کو بھیجو ہو قلیہ اور پلاؤ — مجھ کو جَو کی روٹیاں سوکھی کھلاؤ

جیسا وہ درویش میں درویش ہوں — جیسا وہ دلریش میں دلریش ہوں

کیوں بڑھائی ایک کی یہ عزّ و شان — ہیں فقیر آپس میں ہم سب ایکساں

جب کیا شکوہ یہ اُس نے آشکار — تب ہوا اس پر خطاب کردگار

کاے فقیر اتنا نہ بھول اپنے تئیں — تجھ کو شرم اس بات پر آتی نہیں

اس کو گر پوچھے تو یہ تھا بادشاہ — میرے خاطر تج دیا تاج و کلاہ

چھوڑ کر نعمات دنیا کی تمام — وہ شراب اور وہ کباب اور وہ طعام

وہ حکومت صاحبی سب اپنی چھوڑ — بندگی میں میری آیا ہاتھ جوڑ

صاحبی جو چھوڑ کر ہووے غلام — کیوں نہ دوں میں اسکو اک خوان طعام

تیری اُس روٹی سے یہ کھانا ہے کم — یاد کر تو اُس کے وہ ناز و نعم

اور اپنا وقت بھی تو یاد کر — کس طرح اوقات ہوتی تھی بسر

ایک گھسیارہ تھا تو مرد غریب — کھودتا تھا گھاس تو اے بدنصیب

جنگلوں میں کھودتا پھرتا تھا گھاس — اک ٹکا آتا تھا اُسکا تیرے پاس

تو ہوا تھا چھوڑ کر اُس کو فقیر — ماں نہ بیگم تھی نہ بابا تھا امیر

اس مشقت سے بسر کرتا تھا تو — سر پہ گٹھا لے کے نت مرتا تھا تو

تجھ کو میں پکّی پکائی روٹیاں — بھیجتا ہوں ساتھ پانی کے یہاں

گر رضا پر میری تو راضی نہیں — جا ٹھکانا اپنا کر یاں سے کہیں

دل فقیری سے اگر تیرا ابھرا — جا لی اور کھرپا ہے وہ تیرا دھرا

عاشقی سے تو ہماری باز آ　　لیکے کھُرپا گھاس اپنی کھود کھا
جو خدا قسمت سے دیوے بیش و کم　　مت رضا سے اُسکی باہر رکھ قدم
ظرف سے اپنے نہ کر زیادہ طلب　　کھینچ مت بیفائدہ رنج و تعب
آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ[1]　　می نتابد کوہ را یک برگ کاہ
نازرا روے بباید ہمچو ورد[2]　　ور نداری گرد بد خوئی مگرد
اُس نے جو سمجھا ہے سو ہی خوب ہے　　طالبوں کو نت رضا مطلوب ہے
اپنے تئیں سب کے برابر تو نہ جان　　فہم کر یہ تو توئی کی بات مان
کار پاکاں را قیاس از خود مگیر[3]　　در نوشتن گرچہ ماند شیر و شیر
آں یکے شیرے کہ آدم میخورد[4]　　واں یکے شیرے کہ آدم میخورد
ہم بھی ایسے ہیں یہ کہنا ہے بُرا　　عجز میں وہ آدمی گر ہے بھلا
یاں خودی میں اور خدا میں بیر ہے　　کس طرف بہکا پھرے ہے خیر ہے

حکایت تمثیلی

بات میں اک بات سُنیو اور تو　　اک سر رہ پر تھی حائل آبجو
ایک نے چاہا کہ گھوڑا اُسمیں ڈال　　آپ کو اس آب سے لیوے نکال
جب لب جو پر غرض پہونچا سمند　　چلتے چلتے ہوگیا واں آکے بند

---

[1] آرزو کر مگر اندازے کے موافق ایک گھاس کی پتی سے پہاڑ کا بوجھ نہیں اُٹھ سکتا ۱۲۔
[2] ناز کرنے کیلیے گلاب کا سا چہرہ چاہیے اگر تیرا ایسا چہرہ نہیں تو غرور و تکبر کے پاس کبھی نہ جا ۱۲۔
[3] بزرگوں کو اپنی طرح کا انسان نہ جان اگرچہ شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھتے ہیں ۱۲۔
[4] مگر شیر (درندہ) آدمی کو کھاتا ہے اور شیر (دودھ) کو آدمی کھاتا پیتا ہے ۱۲ آسی۔

کتنی ہی اُس کے تئیں مہمیز کی / اک قدم اس سے نہ آئی خیز کی

جمع واں کتنے ہوئے یہ دیکھ حال / اتفاقاً گزرے اک صاحب کمال

تب اُنھوں نے یہ کہا اے مہرباں / آپ کا گھوڑا نہ ہوگا یوں رواں

ریت یہاں کی لے کے اس پانی میں تم / اس قدر ڈالو کہ ہووے عکس گم

الغرض یوں ہی اُنھوں نے جب کیا / آب جو اوپر گزارا تب کیا

ایک نے پوچھا جب اس کا ماجرا / بھید عارف نے یہ تب اس سے کہا

آپ کو یہ دیکھتا تھا جب تلک / پار ہو سکتا نہ تھا یہ تب تلک

جب خودی کی قید سے نکلا سمند / کھل گئے تب بند وہ تھا جن سے بند

حضرت یحییٰ پیمبر نے حسن / ڈھونڈھ کر اک جا پہ لکھے یہ سخن

یعنی میں دیکھوں کتابیں دو ہزار / چار حرف اُن میں سے رکھے کردگار

پہلے یہ تھا یعنی تو اے دل اگر / طاعت حق کو نہیں کرتا مگر

پھر نہ کھا روزی بھی اُس کی تو مدام / لقمۂ طیب کے تئیں سب کر حرام

دوسرے حق نے کیا قسمت میں جو / صدق دل سے اپنے راضی اُس پہ ہو

ورنہیں ہوتا تو تو اپنا خدا / اور کر لے اور طلب کر اس سے جا

تیسرے جو نہی فرمائی ہے بس / اُس سے تو باز آ نہ رکھ اسکی ہوس

یا نہیں تو ملک سے اُس کے نکل / اس جہاں سے اُسکے باہر بیٹھ چل

بات چوتھی یہ ہے سُن اے نفس آہ / گر کیا چاہے تو دنیا میں گناہ

تو کوئی ایسی جگہ کر لے تلاش / جس میں حق پر تیرا پردہ ہو نہ فاش

عیب گر کرنا ہے تو کر ایسی جا / جس جگہ دیکھے نہ تیرے تئیں خدا

پھر میں اب قصے پہ آیا اے حسن / بیچ میں کہہ کر نصیحت کا سخن

کی جو اُس درویش نے یہ قیل وقال | آیا تب اُس کے کمال اوپر زوال
اُس کی خود بینی نے اُس کو کھو دیا | حرص نے آخر کیا اُس کو ہوا
کاسۂ[۱] چشمِ حریصاں پُر نہ شد | تا صدف قانع نہ شد پُر دُر نہ شد
جب کہ ابراہیم واں سے سیر کر | کوہ سے میدان میں آئے اُتر
ایدھر اُودھر پھرتے تھے جوں گردباد | عشق کی حدّوں میں ہو کر شاد و شاد
ایک دن تھا ان کا دریا پہ گزر | اتفاقاً اک وزیر آیا اُدھر
بادشہ نکلا تھا اُس کا ہو فقیر | اس تجسّس میں وہ پھرتا تھا وزیر
بیٹھے ابراہیم گدڑی اپنے ہاتھ | سیتے تھے سوزن جو تھی وہ اُن کے ساتھ
تھا یہ ابراہیم ادھم کا وزیر | آتے پہچانا کہ یہ جو ہے فقیر
ہو بہو میرا یہی ہے بادشاہ | دوڑا اُٹھا روتا ہوا اک بھر کے آہ
پاؤں پر اُن کے گرا بے اختیار | یوں لگا کہنے کہ شاہِ نامدار
اب تلک حاضر ہے تیرا تاج و تخت | اس فقیری سے گزر اے نیک بخت
وہ حکومت چھوڑ اور وہ صاحبی | یہ گدائی کیا بھلی تجھ کو لگی
تب یہ ابراہیم نے اُس کو کہا | سلطنت میں ہے حکومت تیری کیا
ہے حکومت پہ اگر غرہ تجھے | تو سوئی دریا سے منگوا دے مجھے
کہہ کے پھر دریا میں سوزن پھینک دی | اور کہا منگوا دے تو مجھ کو سوئی
کتنے ہی ملّاح اُس نے جمع کر | اُن کے دینے کو دکھایا مال و زر
یعنی سے اوپر سوئی دریا سے دو | مانگے جو کچھ مجھ سے میں دوں اُنکو سو
سیکڑوں ملّاح سر پٹکا کیے | تنکے تنکے پہ غرض اٹکا کیے

۱؎ لالچیوں کی آنکھ کا کاسہ بھرتا نہیں سیپ جب تک قانع نہ ہوئی دُر موتی اس سے پُر نہ ہو سکی ۱۲ آسی

جوں حباب آنکھیں لگا دریا کے ساتھ | سب نے دیکھا پر سوئی آئی نہ ہاتھ
اس سرشتے سے الگ سب بہ گئے | چاؤ جو جو دل میں تھے سب بہ گئے
جب ہوا عاجز وزیر اور منفعل | بیوقوفی سے بہت اپنی خجل
تب تو ابراہیم ادھم نے کہا | تو نے دیکھا حکم کا اپنے مزا
اب حکومت پر ہماری سیر کر | کیونکر آتی ہے سوئی یاں تیر کر
مچھلیوں سے پھر کہا اے مچھلیو | یہاں سوئی میری گری ہے اسے لا دو
منھ میں اپنے رکھ کے وہ سب لائیاں | سونے روپے کی لے آئیں سوئیاں
تب کہا ان میں تو ہے رنگ دوئی | مجھکو ہے درکار اک اپنی سوئی
ایک مچھلی نے غرض سوزن وہی | لا کے ابراہیم کے آگے دھر دی
تب کہا دیکھی ہماری سلطنت | اے وزیر اس بات کو پھر کہیو مت
بادشاہت پر تری اے بیخبر | جاوے کون اس سلطنت کو چھوڑ کر
حاضروں نے جب یہ دیکھا ماجرا | صورت دیوار ہر اک ہو گیا
پھر کہا ششدر نہ ہو کیوں اے دوستو | اس تماشے کا اچنبھا مت کرو
حکم میں خالق کے جو کوئی رہا | حکم میں اُس کے ہوا ارض و سما
چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت[1] | چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت
کر کے حاصل یہ جواب بے نظیر | پھر گیا اقلیم کو اپنی وزیر

رخصت کرنا ابراہیم ادھم کا بیٹے کو

ایک دن بیٹا اُنھوں کا ہو اُداس | ملنے کو اُلفت سے آیا باپ پاس

[1] جب تو اُس کا ہو گیا تو تمام چیزیں تیری ہو گئیں جب تو اُس سے پھر گیا تو سب چیزیں تجھ سے برگشتہ ہو گئیں

اُن کے بھی دل میں محبت آگئی — دیکھ کر بیٹے کو اُلفت آگئی
دو تھی اک الہام غیبی یوں ہوا — یعنی ابراہیم تو سمجھا ہے کیا
یا تو بیٹے ہی کی اُلفت دل میں رکھ — یا ہماری ہی محبت دل میں رکھ
دل ہے تیرا ایک اُسمیں اے حزیں — اُلفتیں دو دو سما سکتی نہیں
ہووے جس دل میں مری الفت کی جا — غیر کی اُلفت کا اس میں کام کیا
سُنکے یہ حق کی طرف ہاتھ اپنے جوڑ — سب کی اُلفت سے غرض منھ اپنا موڑ
دو وہیں اُس بیٹے کو رخصت کر دیا — کر کے توبہ پھر یہ رو رو کر کہا
آں ہمہ گر رفت گو رو باک نیست — تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست[1]
اسکو اُلفت کہتے ہیں اے بوالہوس — عشق جس کا نام ہے سو یہ ہے بس
عشق دے اللہ اپنا عشق دے — اس حسن کو آہ اپنا عشق دے

درویشی اختیار کرنا فرید الدین عطار قدس سرہ کا

نقل سے گر عارفوں کی ہے مزا — سُنیو ٹک کہتا ہوں اُن کا ماجرا
وہ فرید الدینؒ جو عطار تھے — باپ کی دکان پر مختار تھے
باپ اُن کا اس جہاں سے پیشتر — اُٹھ گیا تھا یہ تھے اُنکی جائے پر
کتنے خدمتگار رکھتے چالاک و چست — دست بستہ کام میں اپنے درست
سیکڑوں تھیلے دوا کے تھے دھرے — سیکڑوں شربت کے شیشے تھے بھرے
مال و نعمت تھی بھری ساری دکاں — اس تجمل سے وہ بیٹھے تھے وہاں
ناگہاں [illegible] پر تو اک مجذوب سا — لیک باطن میں وہ سالک خوب سا

[1] اگر وہ سب گیا تو بلا سے جانے دو رہے کہ تیری طرح کوئی پاک نہیں ١٢ آسی۔

گرچہ صورت میں وہ دیوانہ سا تھا — لیک سیرت میں وہ فرزانہ سا تھا
سیر کرتے کرتے اودھر آن کر — ایک دم ٹھہرا وہ اُس دوکان پر
ٹھہر کر ایسا وہ کچھ بے اختیار — دیکھنے لگا دُکان کو بار بار
اشک حسرت بلکہ آنکھوں بیچ لا — آہ درد آلودہ بھر کر تک رہا
تب فریدالدین اُس کو دیکھ کر — یوں کہا کیا دیکھتا ہے بے خبر
چل رے آگے چل کھڑا ہی کیوں یہاں — جس طرف جاتا ہے جلدی جا وہاں
تب کہا اُن سے کہ ایدھر کر نگاہ — میں چلا میری تو یہ ہے شاہراہ
میرے چلنے میں تو کب تاخیر ہے — میں سر رہ ہوں مجھے کیا دیر ہے
میں سبکبار اس قدر ہوں اے عزیز — غیر خرقہ کچھ نہیں مجھ پاس چیز
ایک تو اور اتنے شیشے تیرے پاس — کام یاں ہرگز نہیں کرتا قیاس
تو خلیطے لے کے اور یہ تھیلیاں — کس طرح پہونچے گا جلدی اے میاں
لے خبر اپنی تو اے پابند زر — کب ترا منزل تلک ہوگا گزر
شہد و شربت میں پڑا رہ جوں مگس — تجھ میں اُڑنے کی نہ قوت ہے نہ بس
کہہ کے یہ اور زیر دکان لیٹ کر — لے کے پھر خرقے کا دامن منھ اُپر
نعرۂ ہو کہہ مسافر ہو گیا — اُس کا مرنا دم میں ظاہر ہو گیا
دیکھا جب عطار نے یہ ماجرا — اس حقیقت سے اثر دل پر ہوا
جنس و اشیاء اپنی سب برباد کے — اک فقط جامہ ہی اپنا ساتھ لے
یاد کر مجذوب کی وہ قیل و قال — چھوڑ کر دکان اور دنیا کا مال
جیسا بازاری تھا بیزاری ہوا — اس جہاں سے اسکا دل بیزار سا
دوسری یہ بھی روایت ہے صحیح — یوں بھی کہتے ہیں حکایت ہے صحیح

ایک ہی مضموں ہوا جو آہ یوں
کہنے لاگا بارے ہاں اے بےخبر
دی صدا عطار نے یہ اس کی ٹال
پھر نہ بولا وہ تو اس نے پھر کہا
کچھ بھی اودھر سے نہ پایا جب جواب
ایک کوڑی نام پر حق کے نہیں
چھٹ کنائے سے وہ بولے اس طرح
جب سنی درویش نے یہ اس سے بات
بولا ایدھر دیکھ میں یوں جی دیا
ورنہ تو شہد و شکر میں رہ پڑا
وہ تو جی دے کر اُدھر کو ڈھل گیا
کیا دوا کیا شیشہ اور کیسی دکان
اُس کے جی جانے پہ اُن کا دل گیا
اس طرف سے ہو کے جوں کافور سرد
مالک عرفاں کے تئیں عازم ہوا
رفتہ رفتہ پھر تو وہ کامل ہوا
عارفوں کی بات سنتا رہ حسن
شہد و شربت سے نہیں یاں ہے مراد
الفت فرزند و زن زنجیر ہے
[illegible] کہتا نہیں ہیں کچھ توڑ دے

یعنی دکاں پر فقیر آیا وہ جوں
نام اللہ ایک کوڑی دے ادھر
پھر کیا کوڑی کا اُس نے تب سوال
سُن کے تس پر بھی وہ سُن ہی ہو رہا
تب کہا درویش نے یوں کر خطاب
دیگا جی کیونکر فرشتے کے تئیں
آپ اپنی جان دیں گے کس طرح
دھر کے پیالہ سر تلے اور منہ پہ ہات
تو بھی دے جی آ سکے ایدھر تو آ
مجھ کو اس لذت سے میری جان کیا
اُن پہ عالم اور ہی کچھ کھل گیا
اُن کے بھاویں مٹ گیا سارا جہاں
اُس طرف ٹوٹا اُدھر کو مل گیا
ترک سب اپنے تئیں وہ نیک مرد
شیخ رکن الدین کا جا خادم ہوا
درد میں حق کے سراپا دل ہوا
تجھ کو یہ شاید اثر بخشے سخن
الفت فرزند و زن رکھ اسکو یاد
اس لیے چلنے میں تجھ کو دیر ہے
شرع کے رشتے کو تو مت توڑ دے

کیونکہ ہے دنیا کا یاں یوں ہی رواج
رہ اُنھوں میں پر بقدر احتیاج

جیوں مرض کے واسطے کوئی دوا
کام میں لاتا ہے تو بھی اُن کو لا

اپنا دل مت باندھ ان سے میری جان
وقت چھٹنے کے نہ گزرے تا گراں

کیونکہ جتنی وصل میں لذت اٹھائے
وہ ہی لذت ہجر میں آفت اُٹھائے

اتنی رکھ الفت کہ گر وقت رحیل
چھوڑ دے اُن کو تو ہووے کچھ نہ ڈھیل

اس جہاں کو تو سمجھ مثل سرا
اس سرا میں تو نہ اپنا دل لگا

ایک شب کا ہے گزارا اس جگہ
رہ مسافر بن کے تو اے سرورا

اس سرا کا چھوڑنا منظور رکھ
دل لگانا عقل سے یاں دور رکھ

کیونکہ ان فرزند و زن کو کر قیاس
اہل مجلس کی طرح سے شمع پاس

تجھ میں جب تک روشنی ہے اور نور
تب تلک تجھ پاس ہے ان کا ظہور

روشنی اور نور خدمت ہے تری
اُن کو اس خدمت سے الفت ہے تری

پہونچی جب سر پر ترے صبح اجل
حس و حرکت میں پڑے تیری خلل

جسم کی یہ شمع جب ہو گل تری
روح نکلی گل پہ ہو بلبل تری

تجھ کو یہ جیوں شمع کشتہ بوجھ کر
گھر سے لے جا کر رکھیں بیرون در

تجھ سے پھر ہرگز نہ رکھیں کام وہ
بلکہ لیویں بھی نہ تیرا نام وہ

بس یہ اپنے کام سے رکھتے ہیں کام
نام کو رکھا ہے تیرا خواجہ نام

تو بھی اپنے کام تک رہ آشنا
خود غرض جو ہوں نہ اُن سے دل لگا

دل ملا ایسے سے اے شوریدہ سر
جس کی الفت ہے سدا تجھ کو ثمر

بات پر دو دن کی مت مغرور ہو
اُس سے ہو نزدیک سب سے دور ہو

اور سب دو دن کے ہیں یہ دوستدار
اول و آخر وہی ہے تیرا یار

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست[1] ‌ ‌ ‌ با کریماں کارہا دشوار نیست

عشق آں حق را گزیں کو باقی است[2] ‌ ‌ ‌ کز شراب لایزالی ساقی است

لیک تو خفیہ بہ شکل با ادب[3] ‌ ‌ ‌ سوے او مغز آر داورا می طلب

دل لگا اپنا خدا سے میری جاں ‌ ‌ ‌ اُس سوا ہے کون تیرا مہرباں

اے حسنؔ تو جان یہ غیر از خدا ‌ ‌ ‌ یہاں نہیں کوئی کسی کا آشنا

ہنسنا اکبر بادشاہ کا اور جواب ملک محمد جایسی کا۔

تھے ملک نامی محمد جایسی ‌ ‌ ‌ وہ کہ پدماوت جنھوں نے ہے کہی

مرد عارف تھے وہ اور صاحب کمال ‌ ‌ ‌ اُن کا اکبر نے کیا دریافت حال

ہو کے مشتاق اُن کو بلوایا شتاب ‌ ‌ ‌ تا کہ ہو صحبت سے اُن کی کامیاب

صاحب باطن تھے وہ مست الست ‌ ‌ ‌ لیک دنیا تو یہ ہے ظاہر پرست

تھے بہت بدشکل وہ اور بدنوا ‌ ‌ ‌ دیکھتے ہی اُن کو اکبر ہنس پڑا

چو ہنسا وہ تو اُنھوں نے دیکھ کر ‌ ‌ ‌ یوں کہا اکبر سے ہو کر چشم تر

ہنس پڑے ماٹی پہ تم اے شہر یار ‌ ‌ ‌ یا کمہارے پر ہنسے بے اختیار

کچھ گناہ میرا نہیں اے بادشاہ ‌ ‌ ‌ سُرخ یا سن تو ہوا اور میں سیاہ

اصل میں ماٹی تو ہے سب یک ذات ‌ ‌ ‌ اختیار اُس کا جو ہے سو اُسکے ہاتھ

کوئی ون کے رنگ کوئی رانا سکے ‌ ‌ ‌ رنگ میں دونوں ہیں اُسکے ہاتھ کے

---

[1] تو یہ نہ کہہ ہمارا گزر اُس بادشاہ تک نہیں ہے کیونکہ کریموں کے لیے کوئی کام دشوار نہیں ہے ۱۲۔

[2] اُس حق کے عشق کو جو باقی ہے کیونکہ وہ لایزالی (جو زائل نہ ہو) شراب کا ساقی ہے ۱۲۔

[3] مگر تو خفیہ طور پر با ادب شکل کے ساتھ اُسکی طرف دماغ لگا اور اُسے ڈھونڈھ ۱۲ آسی۔

سنتے ہی یہ حرف رویا داد گر
گر پڑا اُن کے قدم پر آن کر
الغرض اُن کو بہ اعزاز تمام
اُن کے گھر بھجوا دیا پھر والسلام
صاحب تاثیر جو ہیں اے حسن
دل پہ کرتا ہے اثر اُن کا سخن

سمجھانا درویش کامل کا شہزادے کو

ایک شہزادہ سلاطینوں سے تھا
چاہتا تھا فقر سے ہو آشنا
بیٹھتا تھا جاکے درویشوں کے پاس
پر وہی رکھتا تھا شاہانہ لباس
دل میں تھی کچھ سلطنت کی بھی ہوس
گو کہ کہتا تھا کہ دنیا ہے قفس
عہد میں تھا اس کے اک صاحب کمال
اُن کی خدمت میں یہ تھا اسکا سوال
یعنی کھینچو مجھ کو تم اپنی طرف
پُرگہر کردو مرا دل چوں صدف
اس توقع پر وہ جاتا تھا ہمیش
پر نہ جاتی تھی کچھ اُس کی بات پیش
ایک دن گھبرا کے اُس نے یہ کہا
ابتلک حضرت نہ کچھ حاصل ہوا
تم سے صاحب کمالوں سے ملا
پر نہ میرا غنچۂ مقصد کھلا
سُن کے اُس عارف نے دی بات ایک ٹال
بعد کئی دن کے کیا اس سے سوال
یعنی اے شہزادۂ بیدار بخت
اک چنبیلی کا ہے اس جا پہ درخت
اُسکے پات اور پھول باہم لے جواں
توڑ کر دونوں کو تو لے آ یہاں
سُن کے اُس درویش سے وہ نیک ذات
گرا گئے توڑ لایا پھول پات
تب کہا تو اس کو لے جا اپنے گھر
رات کو رکھ کر لے آ وقت سحر
لے کے دونا وہ ہی رکھ کر اسکو رات
پھر لے آیا صبح کو وہ نیک ذات
تب کہا درویش نے اب کر قیاس
دیکھ تو کیسی ہے ان تینوں میں باس

سونگھ کر اُس نے کہا اے نیک خو — اب تو ان پتّوں میں ہے پھولوں کی بو

پھر کہا اب جا شجر کے سونگھ پات — پھول ہیں آخر یہی اُن شے کے بھی سات

اُن کی اُس نے کی جو کیفیت قیاس — پائی اُن پتّوں میں پتّوں ہی کی باس

عرض کی پھر آن کر کا اے حق گزیں — ان میں ان کی بو ہے پھولوں کی نہیں

تب کہا درویش نے اے میری جاں — ہے پتّے کی بات سُن سب کا بیاں

وہ جو پتّے ہیں شجر میں بہم ملا — جڑ سے اُن کا ہے رگ و ریشہ ملا

شاخ و بن ہی میں وہ اپنے ہیں نہال — اُن کو ہے صحبت کا گل کے کب خیال

اپنی سرسبزی پہ وہ مغرور ہیں — جتنے ہیں نزدیک اُن کے دور ہیں

اور پتّے شاخ و بُن سے ٹوٹ کر — ہو غریب اپنے وطن سے چھوٹ کر

آملے پھولوں میں تب ایسے ہوئے — جیسے گل تھے آخرش ویسے ہوئے

تیری تو جڑ سلطنت میں ہے لگی — تجھ کو درویشوں سے ہو کب ہمسری

تو بھی اپنی سلطنت کی جڑ کو توڑ — اُلفتِ شاخ و شجر سے منھ کو موڑ

ٹوٹ کر مل کاملوں سے اے پسر — تو تجھے صحبت کا ان کی ہو اثر

یوں ملا گر تو تو اس ملنے سے کیا — گر ملا چاہے کسی سے دل ملا

[1] رَو تبر برگیر مردانہ بزن — تو علیؓ وار ایں درِ خیبر بکن

[2] ورنہ چوں فاروقؓ و صدیقؓ ہیں — رَو طریقِ دیگراں را برگزیں

[3] رَو قیامت شد قیامت را بہ بیں — دیدن ہر چیز را شرط است ایں

[1] جا تبر اُٹھا اور مردوں کی طرح اُسے چلا اور علیؓ کی طرح اس خیبر کے دروازے کو اُکھاڑ ۱۲۔

[2] ورنہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوبکر صدیقِ اکبرؓ کی طرح جا اور دوسروں کا طریقہ قبول کر ۱۲۔

[3] قیامت قائم ہے جا قیامت کو دیکھ ہر چیز کے دیکھنے کی شرط یہی ہے ۱۲ آسی -

دل فقیروں سے حسن ہو کر فقیر
دل امیروں سے حسن ہو کر امیر

خط نصیحت آمیز یحییٰ درویش کا در جواب خط اپنے بھائی کے

مرد عارف ایک یحییٰ نام تھا
بھائی نے کعبے سے اس کو خط لکھا

یعنی اے بھائی مجھے تھی آرزو
ان کئی باتوں کی نیت تھی جستجو

پہلے تو یہ تھی تمنا سچ کہوں
بہترین شہر میں جا کر رہوں

تو خدا نے کعبۂ مقصد دیا
اس پہ واجب سجدۂ شکر خدا

دوسرے میں چاہتا تھا اک کنیز
با سلیقہ با وقوت و باتمیز

سو خدا نے خادمہ ویسی ہی دی
جس کی خدمت سے عبادت میں نے کی

تیسرے اک آرزو باقی ہے یہ
دل میں اس حسرت کی میرے ہے گرہ

جیتے جی اک بار میں دیکھوں تجھے
دیکھنا تیرا میسر ہو مجھے

آرزوئیں بس ہوئیں اس پر تمام
مدعا باقی نہیں اب والسلام

پہونچا یہ نامہ جو یحییٰ کو شتاب
یوں لکھا اک نامہ اس کے در جواب

یعنی اے بھائی اگر تجھ میں ہے ہوش
رکھیو ان باتوں پہ میری دل سے گوش

بہترین شہر پایا تو نے گو
چاہیے تو بہترین خلق ہو

ہے بزرگی شہر کو مردوں سے یا
فخر ہے مردوں کو شہروں سے بھلا

ہے مکیں ہی سے مکانوں کو شرف
قرب گوہر ہی سے اچھی ہے صدف

شہر ہے کیا چیز تو ہو آپ چیز
جس جگہ جائے تو پھر واں ہو عزیز

دوسرے گر مردمی ہوتی تو تو
خادم حق کی نہ کرتا آرزو

اپنا خادم خادم حق کو نہ کر
اس خیال خام سے تو در گزر

خادمی در کار اے بھائی تجھے | نہ کہ مخدومی یہ کیا بھائی تجھے
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد[1] | ہر کہ خود را دید او محروم شد
عہد وہ شموئیل پیغمبر کا تھا | اُس زمانے میں وہی تھے پیشوا
ایک دن مل کر سبھوں نے یوں کہا | اپنے پیغمبر سے جا کر کے کہا
حکم ہو حق سے کہ ہم ہیں بادشاہ | ایک ہو جاوے تو پھر ہم سب سپاہ
راہ میں حق کی کریں چل کر جہاد | اُس سے جو جالوت ہے از قوم عاد
الغرض اُن کے سبب مدعا | مانگی پیغمبر نے جب حق سے دعا
ایک کاسہ واں سے روغن کا بھرا | اور عصا اک لا فرشتوں نے دھرا
اور کہا ہے یوں ہی اب حکم خدا | حق نے بھیجا ہے یہ روغن و عصا
مل کے سب اُس کاسۂ روغن کے پاس | ایک اک آدمی رکھیں اُس پر قیاس
جس کے آنے سے یہ روغن جوش ہو | بادشاہت مل کے تم سب اُسکو دو
دوسری یہ ہے نشانی بر ملا | جس کے قد کے ہو برابر یہ عصا
امتحاں جب کر چکیں اس کا تو سب | حکم میں اُس کے رہیں ہے حکم رب
یہ خبر سن کر سبھی چھوٹے بڑے | پاس اُس پیالے کے سب آنے لگے
ہوتے ہوتے ایک سقا شہر کا | پاس اُس پیالے کے جونہی آ گیا
جوش کھا کر تیل اوپر آ گیا | اور عصا قد کے برابر آ گیا
یہ وہ سقا اس کا تھا طالوت نام | جانتے تھے اس کو سب ادنی تمام
دم میں ادنی سے کرے اعلیٰ خدا | ہے برابر اُس کے ہاں چھوٹا بڑا
نیک و بد کی کچھ نہیں بابت رہی | جس کو پیا چاہے سہاگن ہے وہی

[1] یعنی جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا جس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ محروم ہوا ۱۲ آسی ـ

ہے صفت مخدومی اُس معبود کی ۔۔۔ خادمی ہے بندۂ نابود کی
وہ جو ہے حق کی صفت اُسکے تئیں ۔۔۔ چاہنا بندے کو ہے لائق نہیں
تیرے گر دیکھنا مدِ نظر ۔۔۔ ہے مرے دیدار کا اے بیخبر
تو تو دعویٰ عاشقی کا خام ہے ۔۔۔ عاشقی سے تجھ کو پھر کیا کام ہے
گر خدا سے کچھ خبر ہوتی تجھے ۔۔۔ یاد ہی لاتا نہ تو ہرگز مجھے
رہ خدا کی یاد میں اس طرح شاد ۔۔۔ تا کوئی بھائی نہ آوے تجھکو یاد
اے برادر اُس کو گر پایا غرض ۔۔۔ مجھ سے پھر باقی رہی کہہ کیا غرض
اور نہ پایا جب نشاں اس یار سے ۔۔۔ فائدہ کیا پھر مرے دیدار سے
وہ اگر ہے یار تو سب یار ہیں ۔۔۔ ہے اگر وہ غیر سب اغیار ہیں
آرزو رکھے تو رکھ اللہ کی ۔۔۔ ہے یہی اک بات سب میں راہ کی
دھیان رکھ اللہ سے تو اے حسن ۔۔۔ بھول جا دنیا کے سب رنج و محن

حکایت حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ

تھا کوئی بغداد میں صوفی عُبید ۔۔۔ آئے اُسکے خواب میں اک دن جنید
پوچھا اُس نے یوں کہ کہہ اے نیکنام ۔۔۔ تو نے پہونچایا کہاں تک اپنا کام
عالم بالا کی کیا کیا سیر ہے ۔۔۔ یہ تو ہم سے کہہ وہاں تو خیر ہے
تب کہا اُس مردِ عارف نے کہ آہ ۔۔۔ ہے نہایت صعب اس میدان کی راہ
کارِ عقبیٰ کا ہے اس سے بیشتر ۔۔۔ جو گماں کرتے تھے واں ہم اے پسر
محرمِ ایں ہوش جز بیہوش نیست[1] ۔۔۔ مرز بان را مشتری جز گوش نیست

[1] اس ہوش کا راز دار بیہوشی کے سوا اُسکے کوئی نہیں ہو سکتا زبان کا خاص خریدار کان کے سوا کوئی نہیں

فی المثل اک بات یاد آئی ہے اور　　کیجیو اس بات پر تو میرے غور

حکایت برسبیل تمثیل

ایک صالح مرد تھا کوئی کہیں　　کچھ غرض و پیش تھی اُسکے تئیں
بیچنے کو اُس نے نقرہ جمع کر　　گھر میں اپنے تولا اک دینار بھر
تول کر بازار میں جب لے گیا　　جتنا تولا تھا نہ واں اتنا ہوا
اُس سے کم نکلا لیا تھا وزن جو　　دیکھ اُس صورت کو اور حیران ہو
خوب رویا دردسے وہ با تمیز　　پوچھا اس سے کیوں تو روتا ہے عزیز
تب کہا اُس نے کہ ہے رونے کی بات　　تو نہ سمجھا اب تلک اے نیک ذات
آج گھر کی بات باہر سچ نہیں　　بات دنیا کی بھلا کل کے تئیں
راست ہو گی آخرت میں کس طرح　　یاں کا تو احوال دیکھا اس طرح
پس جو کچھ کرتے ہیں ہم یاں سے گماں　　کس نے دیکھا ہے کہ یوں ہوگا وہاں
ویسے اعلاؤں کا جب یہ حال ہو　　ہم سے ادناؤں کا کیا احوال ہو
فضل اُسکا ہو حسن تو تو چھٹیں　　اور جو اس کا عدل ہو تو بس لٹیں

حکایت طالوت و جالوت و مطابقت آں با اہل دنیا و عقبیٰ

یوں سُنا ہے قصۂ طالوت ایک　　بعد موسیٰ تھا کوئی جالوت ایک
عاد کی تھا قوم سے وہ بُت پرست　　پایا اسرائیلیوں پر اُس نے دست
ملک کو اُن کے کیا تھا بے چراغ　　تھا دلِ اسرائیلیوں کا داغ داغ

جب یہ دیکھا معجزہ سب نے حسن　　تب پیمبر سے لگے کرنے سخن

یہ تو سنتا ہے بچارا اک غریب　　ہم کریں اس کی اطاعت ہے عجیب

ہم کو اس کی بادشاہت تب قبول　　جب علامت اور بھی ہو یا رسول

پھر خدا سے عرض کی بار الٰہ　　اور حجت چاہتی ہے یہ سپاہ

یوں ہوا پھر حکم تب بار دگر　　تھا جو تابوت سکینہ پیشتر

پاس ان کے جس سے ان کی فتح تھی　　لے گئے تھے چھین ان کے مدعی

ہم اسے پھر واں سے دیویں گے منگا　　تب تو سمجھیں گے یہ غافل مدعا

کیا ہے تابوت سکینہ اے عزیز　　تھا وہ اک صندوق اس کو کر تمیز

اس میں تصویریں تھیں ان کی سر بسر　　گزرے تھے جتنے پیمبر پیشتر

اور رکھے کتنے تبرک ما سوا　　یادگار انبیاء و اولیا

جیسا فرشتوں کو ہوا حکم خدا　　لائے تابوت سکینہ وہ اٹھا

لا کے اسرائیلیوں میں دھر دیا　　دیکھ کر سب نے تعجب تب کیا

بولے پیغمبر کہ اب لو یہ دلیل　　اب تو بس مانو گے تم حکم جلیل

سب نے پھر خوش ہو کے آمنا کہا　　اور لگے کہنے کہ اب مقصد ملا

حکم میں طالوت کے آئے تمام　　ساتھ اسکے ہو کے نکلے خاص و عام

یوں حکایت ہے کہ جب ستر ہزار　　مل کے گرویدہ ہوئے پیادے سوار

امر پیغمبر سے یا از حکم رب　　یوں کہا طالوت نے ان سب کو تب

یعنی اے قوم اس کو جانو برملا　　آزمائندہ تمہارا ہے خدا

اس ہوائے گرم میں ہوگا سفر　　نہر اک جاری ملے گی پیشتر

تشنگی تم سب کو ہووے گی کمال　　آپ کو اس آب سے رکھنا سنبھال

نیک و بد کے امتحاں کی ہے وہ جا　　دوست دشمن تا کرے ظاہر خدا
ایک چلّو کے سوا جو واں سے آب　　پیوے گا بے شبہ وہ ہوگا خراب
پیوے گا پانی زیادہ واں سے جو　　میرے دین سے وہ نہ ہوگا جان تو
اور میں جتنا کہا ہے اُتنا کر　　ہووے گا تو وہ رہے گا بیخبر
الغرض ظاہر ہوئی وہ نہر جب　　پی گئے اکثر اُنھوں سے تشنہ لب
یعنی جو ثابت قدم تھے دیندار　　ایک چلّو پر کیا آخر قرار
بیشتر جو پی گئے تھے سب کے سب　　وہ تڑپتے رہ گئے اور خشک لب
وہ جو قانع تھے بجھی اُن کی پیاس　　بلکہ پانی بچ رہا کچھ اُن کے پاس
وہ جو تھے کم خوار سو تو رم گئے　　جو زیادہ خوار تھے سو جم گئے
کاسۂ[1] چشمِ حریصاں پُر نہ شد　　تا صدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد
چاہتے تھے وہ کہ پانی بھی پیں　　اور راہ حق میں ثابت ہو جئیں
یہ غلط خطرہ تھا دل کا میری جان　　دین کو دنیا کو ڈھونڈھیں سو کہاں
ہم[2] خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　ایں خیال است و محال است و جنوں
الغرض وہ تین تیرہ ہو جواں　　حکم کے تابع جو پہونچے تھے وہاں
آخرش نکلا بہت تھوڑوں سے کام　　فتح کی لڑ کر اُنھوں نے والسّلام
جب پھرا طالوت وہاں سے فتح کر　　نہر پر وہ جو پڑے تھے تشنہ تر
جز ندامت کچھ نہ آیا ان کے ہاتھ　　آبرو اُن کی گئی پانی کے ساتھ
اہل عرفاں نے یہاں سے لے حسن　　کیا مثل دی ہے ذرا سنیو سخن

[1] لالچیوں کی آنکھ کا کاسہ بھرتا نہیں سیپ جبتک قانع نہ ہوئی وہ موتیوں سے پُر نہ ہو سکی ۱۲ آسی

[2] تو خدا کی خواہش بھی رکھتا ہے اور کمینی دنیا کا بھی متمنی ہے۔ یہ خیال ہے اور نا ممکن ہے اور دیوانگی ہے ۱۲

رمز اس قصے میں ہے اے نیک ذات — سنیو اس کی معرفت کی ہے یہ بات
تھا جو وہ طالوت اس کی قوم بھی — سالکوں سے اسکو ہے تشبیہ دی
اور وہ جالوت جو گمراہ تھا — نفس بد سے ہے مثل اُسکو دیا
نہر دنیا اور پانی اس کا زر — عارفوں نے اسکی یوں دی ہے خبر
تجھ کو خطرہ اس سوا ہرگز نہیں — تجھ کو یہ پانی نہ لے جاوے کہیں
وہ جو سالک ہیں سو وہ پیراک ہیں — ہیں اسی میں اس سے پر بیباک ہیں
کیونکہ وہ پانی کو اپنے منھ تلک — پہونچنے دیتے نہیں بے ریب و شک
بلکہ منھ سے دور کرتے ہیں وہ آب — پیٹ کو رکھتے ہیں خالی جوں حباب
پیتے ہیں اتنا نہ ہو جس سے ضرر — گر نہیں پڑتے وہ پانی دیکھ کر
تب سبک رو ہوکے وہ چشمک زناں — ایک جھپکی میں پہونچتے ہیں یہاں
یعنی اپنی اصل میں جاتے ہیں مل — بطوں کے مانند ہوکر صاف دل
تو نہ لہرا دیکھ اس کی لہر سے — روز و شب خطرے میں رہ اس نہر سے
مت رکھ اس پانی کی تو افزوں ہوا — راس پانی کچھ نہیں آب و ہوا
سالکوں کی پیروی میں رہ مدام — حکم میں تو اُن کے رہ اے نیک نام
تو تو نفس بد پہ قادر ہووے گا — ورنہ تو مغلوب کافر ہووے گا
لے موافق زر کے تو ابیاں سے آب — ورنہ ڈوبے گا تو اور ہوگا خراب
گر بمقدار خورش تو لیوے گا — حق تعالےٰ صبر تجھ کو دیوے گا
شام تیری جلد ہووے گی صباح — صبر کو کہتے ہیں مفتاح الفلاح
بس تو اپنے روز و شب کی لے خبر — جس طرح ہو یاد حق میں کر بسر
جتنی دنیا کی رکھے گا دل میں چاہ — اتنا تو غافل رہے گا اور تباہ

جمع جوں جوں تو کرے گا مال و زر ... حرص تیوں تیوں تیری ہو گی بیشتر
جس طرح پانی کے اوپر دی مثل ... بس اسی ترکیب ہے یاں مثل
ماجرا طالوت اور جالوت کا ... اپنے ہی احوال پر گویا ہوا
حرص کو دشمن اگر رکھے گا تو ... دوستان حق میں ہوگا سرخرو
حق سے مل کے مرد کامل ہووے گا ... ورنہ مطلق فرد باطل ہووے گا
سالکوں سے ہے سخن یہ مجھ کو یاد ... سچ کہا اس حرص کا دامن کشاد
سالکوں میں کون وہ پیغمبران ... حکم سے جو حق کے کرتے ہیں بیاں
ان کی جا پر وہ جو ہوگا مستقیم ... بخشدے گا سب گنہ اسکے کریم
پیروی میں ان کی رہ تابوت ہو ... فتح پا جالوت پہ طالوت ہو
نہر دنیا سے زیادہ پی نہ آب ... سوچ کے اندر مت کہا پیچ و تاب
نفس بد کو قتل کر اے دیندار ... تیر اسے جالوت تجھ میں برقرار
جہد کر دشمن کو اپنے تو نکال ... ورنہ ذلت تجھ کو یہ دے گا کمال
بات گر رکھے حسن کی یاد تو ... دین و دنیا میں رہے گا شاد تو
مدعا اس سے نصیحت تھی تمام ... اس لیے یہ قصہ لکھا والسلام

آنا دوستوں کا خدمت میں ابوالحسن نوری کی

ایک دو صوفی کسی اقلیم سے ... ابوالحسن نوری کے ملنے کو چلے
جب مسافت کر کے طے پہنچے وہاں ... دیکھتے کیا ہیں کہ اک دو بلبلاں
بولتی آتی ہیں باہم یک دگر ... اپنی بولی میں وہ دونوں شور کر
ناگہاں ان صوفیوں میں ایک تھا ... جو زبان گریہ سے تھا آشنا

بولی اُن کی وہ سمجھ کر نیک ذات
کرتا سفت اور مل کے دونوں ہات

انا للہ تب وہ کہہ کر رہنموں
بولا پھر انا الیہ راجعون

دوسرا بولا کہ بھائی خیر ہے
کیا یہ تیرے دل میں آئی خیر ہے

تب کہا اُس نے کہ سُن اے مہرباں
ایک گربہ ایک سے کہتی ہے حال

یعنی یہ ملنے کو جس سے نیک ذات
جاتے ہیں اُسے تو پائی ہے وفات

سن کے اُس نے تب تاسف سے کہا
پھر چلیں اب فائدہ جانے سے کیا

پھر تو وہ بولا کہ ہمت کیجیے
خاک کی اُن کی زیارت کیجیے

کہہ کے یہ حجرے تلک پہونچے جو ہیں
دیکھا اُس عارف کے تئیں آتے وہیں

جیسے تھے ویسے ہی اچھے تندرست
قوت جسمی میں بس چالاک و چست

صوفیوں نے جب یہ دیکھا ماجرا
ملتے ہی اُن سے کہا سب واقعا

یعنی اے حضرت تماشا ہے عجیب
نقل پہلے ایک سن لو یہ غریب

اُس کا ہم کو کچھ بتاؤ تم نشان
اس میں کیا اسرار تھا اے رمزداں

راہ میں دو بلیاں ہم کو ملیں
کہتی آتی تھیں وہ آپس میں چلیں

یعنی پائی آج نوری نے وفات
ہم جو آئے تو تمھیں پایا حیات

صوفیوں سے سن کے یہ قال و مقال
روئے اپنے حال پر صاحب کمال

رو کے فرمانے لگے اے مہرباں
مجھ سے سنیے میرے مرنے کا بیاں

راست کہتی تھیں وہ گربہ شک نہیں
مجھ کو بھی مرنے پہ اپنے ہے یقیں

آج میں دنیا کی خاطر اک ذرا
یاد حق سے اپنے جو غافل ہوا

مرگ کا سو میرے آوازہ عیاں
کر دیا ہے نے زمیں تا آسماں

بات مرنے کی جو پھیلی شش جہات
رفتہ رفتہ گربہ تک پہونچی یہ بات

میں اگر جیتا تو سچ ہے ایک دم
یاد کو حق کے نہ کرتا دل سے کم

بندگی سے اُس کی جو غافل ہوا
جاگتا جیتا وہ مردہ دل ہوا

زندگی بے دوست جاں فرسودن است[1]
مرگ خاطر غائب از حق بودن است

از خدا غیر از خدا را خواستن[2]
جائے افزونیست کلی کاستن

میرے مرنے کا اچنبھا کیا ہوا
جو رہا غافل سو ہے جیتا موا

پس عزیزو اس کو تم سمجھو ذرا
ماجرا یہ تھا جو میں تم سے کہا

از مکافات عمل غافل مشو[3]
گندم از گندم بروید جو ز جو

پوچھنا بایزید بسطامی کا طبیب سے دوا گناہ کی اور بتانا اُس کا

ایک دن اک جا پہ گزرے بایزید
کرتے کرتے کوچۂ عالم کی دید

دیکھا اک کھولے دُکاں مرد طبیب
بیٹھا ہے رستے میں باشان عجیب

سیکڑوں خلقت کھڑی ہے پیش و پس
غرہ حکمت پہ یہ رکھتا ہے کہ بس

ہیں جو گرد اگرد اُس کے دردمند
اُن سے کہتا ہے بآواز بلند

یعنی سب دردوں کی رکھتا ہوں دوا
میری یہ دکان ہے دار الشفا

دیکھی اس جا پہ جو یہ گفت و شنید
یوں لگے کہنے تب اس سے بایزید

---

[1] زندگی بغیر دوست کے جان کا گھٹانا ہے۔ خدا سے غافل ہونا دل کی موت ہے ۱۲

[2] سوائے خدا کے خدا سے کچھ مانگنا۔ بڑھنے کی جگہ بالکل کم ہونا ہے ۱۲

[3] اعمال کی سزا سے غافل نہ ہو۔ گیہوں گیہوں سے اور جو جو سے پیدا ہوتا ہے ۱۲ آسی

اے طبیب درد ہر خرد و کلاں ہے کوئی دارو گنہ کی بھی یہاں

سن کے وہ یہ بات چپکا ہو گیا وہ جو دعویٰ تھا غلط سو کھو گیا

ایک دیوانہ کہیں بیٹھا تھا واں وہ لگا کہنے ادھر آ اے میاں

میں گنہ کی تیرے رکھتا ہوں دوا ایک نسخہ پاس ہے میرے لکھا

لیکن اس نسخے میں ہیں سب تلخ چیز پی نہیں سکتا تو اس کو اے عزیز

بولے تب اس سے یہ سن کر بایزید تلخ دارو ہی تو ہوتی ہے مفید

لا مجھے تو دے کہ پی جاؤں شتاب اس کے پینے سے شفا پاؤں شتاب

سن کے دیوانے نے تب اس دم کہا پہلے جا تو بیخ درویشی کی لا

ساتھ برگ صبر اس میں یار کر اور ہلیلہ علم کا تیار کر

لے ہلیلہ حلم کا اے بایزید آملے میں کر تواضع کی مزید

دستۂ توفیق سے گھوٹ اسکو تو دیگ میں پھر کر تفکر کی فرو

پھر اسے آب محبت سے عزیز آتش شوق اس میں دے پھر تیز تیز

جوش میں جب آوے تب کیا کاگر ساغر امید میں تو اس کو بھر

حلق میں پھر تو گنہ کے اسکو ڈال تا شفا دیوے حکیم ذوالجلال

جو کہ ہو بیمار اس کا بایزید اس کے حق میں یہ دوا بس ہے مفید

دے حسن کو بھی الٰہی یہ دوا اس مرض سے تا کہ ہو اسکو شفا

تمام شد مثنوی رموز العارفین

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ کہ یہ مثنوی سحر البیان معروف بہ مثنوی میر حسن جس کو میر حسن
دہلوی نے زمانۂ نواب آصف الدولہ بہادر میں تصنیف کیا تھا
اس مرتبہ مختلف قدیم و مستند نسخوں سے مقابلہ کرکے اور
کئی اور مثنویات میر حسن یعنی مثنوی گلزار ارم اور
مثنوی رموز العارفین کا اضافہ کرکے معہ مقدمہ
و حواشی معانی الفاظ قدیم مولانا عبدالباری
صاحب آسی باہتمام بی۔ پی کپور
سپرنٹنڈنٹ باہ جنوری
سنہ ۱۹۴۵ء نولکشور پریس لکھنؤ
میں تیرھویں بار
طبع ہوئی